سیتا ہرن

قرۃ العین حیدر



سیتاہرن

سیتاہرن

قرۃُ العین حیدر

مکتبہ اُردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ناشر ——— سرفراز احمد
مطبع ——— گنج شکر پرنٹرز لاہور
قیمت ——— ۹۰ روپے

1

وہ دوپہر بھی ہمیشہ کی طرح بڑی عام سی دوپہر تھی جب ڈاکٹر سیتا میر چندانی کو معلوم ہوا کہ جمیل نے دوسری شادی کر لی۔ گھڑی اسی طرح ٹک ٹک کر رہی تھی۔ نومبر کے آسمان پر پرندے اسی طرح چکر کاٹ رہے تھے، ایشین تھیٹر انسٹیٹیوٹ میں لڑکیاں اور لڑکے "بچوں کے تھیٹر" کی کلاس میں اسی طرح کٹھ پتلیاں بنانا سیکھ رہے تھے، دوسرے کمرے میں اسی طرح "دیہاتی تھیٹر" پر لیکچر دیا جا رہا تھا۔ نئی دلی کی سڑکوں پر بسیں اسی طرح چل رہی تھیں، وہ لمّا سے ملنے کے لیے یہاں آئی تھی۔ تین بجے اسے ہما کے یہاں پہنچ کر شہزاد کے ہمراہ مدرا راکشس کی ریہرسل میں جانا تھا۔ رات کو ماڈرن تھیٹر کے اراکین نے مسز ڈولی سین کے یہاں کھانے پر مدعو کیا تھا۔ زندگی کتنی مصروف تھی اور کتنی خالی تھی۔ ڈھائی بجے وہ متھرا روڈ سے بس میں بیٹھ کر علی پور روڈ کی طرف روانہ ہوئی تھی، کمشنر لین میں آکر "بیلی کوٹھی" کی سرخ بجری والی طویل سڑک

پر پہنچی تھی۔ "پیلی کوٹھی" کے چبوترے پر بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو ہلو ہلو کرتی "پیلی کوٹھی" کے گارڈن ہاؤس کی گیلری میں داخل ہوئی تھی، دروازے کے برابر شہزاد کا کمرہ تھا اس نے پردے میں سے دیکھا تھا کہ شہزاد ابھی تک مزے سے سنا رہا تھا، وہ ہما کے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب گیلری کے دوسرے فون کی گھنٹی تھرانا شروع ہو گئی۔ فون بہت دیر سے بج رہا تھا اور بیچ میں چند لمحوں کے لیے رک گیا تھا شہزاد نے سوتی سوتی آواز میں جھنجلا کر پکارا تھا ارے بھئی کوئی فون کیوں نہیں اٹھاتا۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا تھا۔ اس وقت تین بجے تھے، دوسرے سرے پر بلقیس زور زور سے کہہ رہی تھی: "ہما ——— کیا سیتا تمہارے یہاں پہنچ گئی ہے؟"

"ہائے ——— بلقیس ——— میں سیتا بول رہی ہوں کوئی خاص بات ہے؟"

"ارے تم بڑی جلدی پہنچ گئیں۔ خاص بات ——— ؟ اوہ ——— ارے بابا۔ آج بڑا مزا آیا ——— پردیپ نے کامران سے کہا ———"

بلقیس تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے؟

"کچھ نہیں ——— ایسے ہی ——— بلقیس کی آواز معمول سے زیادہ پرسکون تھی، ہی ہی ہی اس نے سوچا ذرا معلوم کر لوں آج کی خبریں کیا ہیں۔ تم نے للتا کو حمیدہ کا پیغام پہنچا دیا یا نہیں؟"

اس کے بعد کوئی بیس منٹ تک بلقیس نے شہر کی تھیٹر گوسپ کی تھی ڈرامہ سیزن شروع ہو چکا تھا اور شہر کے تیس چالیس ڈرامہ گروپ بھانت بھانت کے ڈرامے اسٹیج کرنے میں جٹے تھے۔

اب ساڑھے تین بجا تھا۔ سیتا نے عاجز آ کر کہا تھا ——— بلی ڈیر ——— کیا تم نے مجھے یہی سب بتلانے کے لیے فون کیا تھا؟

"ارے بھئی ——— وہ ———"

"نیویارک سے کوئی خط آیا ہے؟"

"ہاں۔" بلقیس کی آواز کا مصنوعی جوش یک لخت مدھم پڑ گیا۔

"کیا بات ہے بلقیس ـــــ؟"

"ممی بھیلنے ـــــ جمیل بھیا نے شادی کر لی۔ ـــــ"

گھڑی کی ٹک ٹک۔ شہزادے نے زور سے کروٹ بدلی اور اس کے پلنگ کے اسپرنگ بج اٹھے۔ باہر عنابی گلاب کی کیاریوں کے پاس ہما کا بچہ ٹھوں ٹھوں کر کے رو دیا۔ کھانے کے کمرے میں لچھن سنگھ نے کھٹاک سے الماری بند کی۔

"کس سے ـــــ؟" سیتا نے اس طرح پوچھا گویا اندھے کنوئیں سے بول رہی ہے۔

کوئی کونٹیننٹل لڑکی ہے ـــــ سیول دور چانکیہ پوری میں بلقیس کے گھر میں زندگی معمول کے مطابق جاری تھی، بچے شور مچا رہے تھے۔ چاول کے برتن کھنکھناتے تھے چھوٹی خالہ رام اوتار پر بگڑ رہی تھی، ڈرائنگ روم میں بلقیس کی بڑی بھانجی فرش پر اکڑوں بیٹھی ٹیپ ریکارڈ چلا رہی تھی۔ ـــــ تمام عمر رہا غمزہ وا وا کا شکار ـــــ دروازہ بھیڑ دو۔ خاموش !! ارے بولے مت چلے جاؤ بھئی ـــــ واہ واہ بہت خوب کیا بات ہے ـــــ کہ غمزہ واو کیا ہے ـــــ ارے بھئی دوبارہ پڑھیے گا ـــــ تمام عمر رہا ـــــ یہ غزل بلقیس کے یہاں چند روز ہوئے کسی شاعر نے ترنم سے پڑھی تھی۔ اور سیتا کو بہت پسند تھی۔

ان سب آوازوں میں مل کر بلقیس کی آواز صاف سنائی نہیں دی۔

"ذرا زور سے بولو بھئی تمہارے یہاں بہت رولا مچ رہا ہے۔" سیتا نے تقریباً چلا کر کہا تھا۔

ایک کونٹیننٹل لڑکی سے تفصیل معلوم نہیں، صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ یو۔ این۔ میں ان کے دفتر میں کام کرتی ہے ـــــ کوئی ہوگی دیڑس یا ٹائپسٹ کمبخت۔"

"وہ میری طرف سے ایلزبتھ ٹیلر سے بیاہ کر لیں مجھ سے مطلب — سیتا نے بڑی متانت سے جواب دیا، اب وہ فون کے قریب رکھی ہوئی آرام کرسی پر ٹک چکی تھی، گیلری بہت تاریک تھی اور غیر معمولی طور پر سرد،

اس میں صرف ایک قباحت ہے سیتا ڈیئر — ایلزبتھ ٹیلر تو بیاہ رچا چکی ہے اور سنا ہے پرنسس مارگریٹ کے بھی آج ہی کل میں ہاتھ پیلے ہونے والے ہیں۔ ساری دنیا میں یہی دو لڑکیاں اسے پسند تھیں۔ اور تیسری نرگس تو وہ بھی حال میں اپنے گھر بار کی ہو چکی"۔

بلقیس انور علی ملک کی چوٹی کی اسٹیج ایکٹرس ہونے کی ناطے اب پھر بڑی نارمل آواز میں بات کر رہی تھی، پچھلے سال اس نے بمبئی کی انڈین اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ سے ڈپلوما حاصل کیا تھا۔ اس سال اسے دہلی ناٹیہ سنگھ کی طرف سے بہترین ایکٹرس ہونے کا ایوارڈ ملا تھا اور رچ تھیٹر کی اگلی پیش کش میں وہ غضب کی المیہ اداکاری کرنیوالی تھی، پھر وہ اپنی آواز سے کس طرح ظاہر ہونے دیتی کہ دراصل کیا سوچ رہی ہے۔

"بلقیس —"

"ہاں بھائی سیتا —"

"تم اس قدر کمینی کیسے ہو سکتی ہو — اچھا میں ذرا نہا لوں شام کو ملاقات ہو گی — بائی —"

"بائی سیتا —"

۲

بلقیس نے ریسیور رکھ دیا اور لاؤنج میں سے گذر کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، درمیان والے کمرے میں چھوٹی خالہ فالسئی شال میں سر سے پاؤں تک لپٹی تلسی پور سے آئے ہوئے کسی رشتے دار سے باتوں میں مصروف تھیں۔ پچھلے لان پر بچے کرکٹ کھیل رہے تھے، اواخر خزاں کا سورج بہت دھندلا دھندلا لاؤنج کے شیشوں میں سے جھانک رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر بلقیس نے سنگھار میز پر سے خط اٹھایا جو کلینکس کے ڈبے پر آدھا کھلا پڑا تھا۔ اسٹول پر ٹک کر اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے چہیتے خالہ زاد بھائی نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد آخر میں صرف ایک پیرا اور لکھا تھا ——:

"—— میں نے پچھلے اتوار کو ایک اسپینش لڑکی سے شادی کر لی، وہ میرے ہی سیکشن میں کام کرتی ہے، بہت معقول لڑکی ہے انٹلکچوئیل نہیں ہے، اسمتھ

کالج کی تعلیم یافتہ ہے جو یہاں کا بڑا سخت ارسٹو کریٹک کالج ہے چنانچہ اطمینان رکھو تمہاری بھاوج شاپ گرل نہیں جو تم نیٹو لڑکیوں کا راسخ عقیدہ ہے کہ تمہارے ناخلف بھائی لوگ مغرب میں آکر شاپ گرلز اور بقول تمہارے دھوبنوں کو سمیٹ لاتے ہیں —— واقعی!! تم لوگ کس قدر زبردست اسنوب ہو! بہر حال تصویر آئندہ بھیجوں گا۔ کارمن خوبصورت نہیں مگر ساری پہن کر بالکل ہندوستانی لگے گی۔ کیونکہ ع

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال

وغیرہ۔ یہ بات اماں کو بتلا دینا، راہل اچھی طرح ہے۔ کارمن سے ابھی سے بہت ہل گیا ہے، اور خوب موٹا ہو رہا ہے ماشاء اللہ سے میں کل ہی کارمن کے ساتھ اس کے اسکول گیا تھا۔

تم اگلے سال خال کے زمانے میں یہاں آؤ سب مشرقی ساحل کے شاندار جنگل سرخ پتوں کی آگ سے بالکل دہک اٹھتے ہیں سنا ہے تم کو یہاں آکر ایکٹنگ سیکھنے کے لیے اسکالرشپ مل گیا ہے کب تک آ رہی ہو —— ! ہم لوگ کرسمس کیلئے بوسٹن جائیں گے،

سیتا کے متعلق اس نے ایک لفظ نہیں لکھا تھا،

سیتا جو اس کے بیٹے راہل کی ماں تھی،

۵۱ء میں بلقیس کے پاس جمیل کا خط اسی نیویارک سے آیا تھا! اس روز بھی وہ اسی طرح ایک ریہرسل کے لیے باہر جانے والی تھی، یہی سب لوگ تھے۔ یہی دنیا، یہی مصروفیتیں اور چند گھریلو باتوں کے بعد اس نے لکھا تھا۔

”—— اور کوئی خاص بات قابل تحریر نہیں۔

ہاں ایک چیز البتہ بتلانا بھول گیا میں نے پچھلے ہفتے ایک سندھی لڑکی سے شادی کرلی، وہ کولمبیا یونیورسٹی میں سوشیولوجی پڑھ رہی ہے۔ بے حد ذہین لڑکی

ہے۔ بڑی زبردست انٹلکچوئیل قسم کی ذات کی حامل ہے جو سندھیوں میں بڑی اونچی ذات سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اماں کو کم از کم یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں نے کسی پنچ فرنگن کو پلے نہیں باندھ لیا اب بٹیا تم اِس اشتیاق میں مری جا رہی ہوگی کہ اس کی شکل کیسی ہے تو بھئی بے حد گوری ہے۔ ایک دم سرخ و سفید اور کافی خوبصورت ہے۔ عورتوں کے حسن کی تعریف کے معاملے میں ہمیشہ کا کنجوس ہوں کیونکہ ذرا سی تعریف سے ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے، مگر یہ واقعی اچھی خاصی قبول صورت لڑکی ہے، قد میں تم سے ذرا سا نکلتی ہے، اردو بہت صاف نہیں بولتی مگر ڈھیلا پائجامہ پہن کر عین میں چاند پور موضع تلسی پور ضلع فیض آباد کی پیدائش معلوم ہوگی، اطمینان رکھو۔

ہم نے ابھی سے طے کر لیا ہے کہ بچے کا نام راہل رکھیں گے —— راہل —— چونکہ تم جاہل مطلق ہو اس لیے بتانا پڑے گا کہ گوتم بدھ کے بیٹے کا نام تھا۔ اب تم کو زبردست شوک پہنچا ہوگا کہ میری بی بی ایسی فروٹ ہے کہ ابھی سے اس طرح کی باتیں ڈسکس کرتی ہے تو بٹیا قصہ یہ ہے کہ تم ہوائے تلک ایک نمبر کی دقیانوسی اولڈ انڈین پھٹیچر باوجود اپنی ساری اعلیٰ تعلیم اور ترقی پسندی کے، سماجی لحاظ سے اب تک سخت فیوڈل بھی ہو۔ سیتا ایک دم نئی عورت ہے تم لوگوں کی طرح قصباتی نہیں کہ چونکہ نئی دلہن ہے لہٰذا بچے کا ذکر سنتے ہی شرما کر کمرے سے بھاگ جائے —— لاحول ولا —— بہر حال تو بچے کا نام راہل ہوگا۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو اس کا نام گل رخ رکھیں گے کہ یہ نام سیتا کو بہت پسند ہے، کہتی ہے کراچی گرامر سکول میں اس نام کی ایک ہم جماعت پٹھان لڑکی اس کی بہت پیاری گوئیاں تھی۔ —— آیا عقل ناقص میں تمہاری؟"

بلقیس نے خط میز پر رکھ دیا۔ بڑی لرزہ خیز بات تھی، دونوں خط ایک تھے ایک ہی آدمی نے لکھے تھے۔ —— پھر اس نے آہستہ سے اٹھ کر الماری کھولی اور

ساریاں نکال نکال کر الٹتی پلٹتی رہی۔ ابھی اس کو تیار ہو کر مدرا راکھشس کی ریہرسل لینے کے لیے جانا ہے اگلے آدھ گھنٹے میں وہ سب اکٹھے ہوں گے ــــ وہ سب پرانے دوست ــــ للتا ــــ راکیش ــــ کامران ــــ حمیدہ ــــ شہزاد ــــ جانے پہچانے چہرے، مانوس ہستیاں، زندگی اسی طرح جاری رہے گی۔

۳

گیلری کی دوسری طرف ہما کے ڈرائنگ روم میں کوئی چیز گرنے کی آواز آئی۔ ہما اب تولیہ سر پر لپیٹ کر غسل خانے کے دروازے سے باغ میں اتر چکی تھی۔ اس کے کمرے کا جو دروازہ جمنا کی طرف کھلتا تھا اس پر زرد گلاب کی بیلیں جھک آئی تھیں۔

وہ فون بند کر کے اٹھی اور دروازے میں جا کر سکتے کے عالم میں باہر دیکھتی رہی پھر پردہ ہٹا کر ہما کے کمرے میں گئی، کمرہ خالی تھا۔ وارڈروب پر بہت سے پکچر پوسٹ کارڈ اور ہما کے مرحوم شوہر کی تصویر سجی تھی جو کسی اعلیٰ ٹریننگ کے لیے لندن گیا ہوا تھا۔ بچے کی بید کی ٹوکری مسہری کے برابر رکھی تھی۔ صوفے پر نیلے رنگ کی کٹک کی ساڑھی پڑی تھی جو ہما اسی صبح کونیز روے سے خرید کر لائی تھی، کونے کی میز پر چغتائی کی انڈین پینٹنگز کی جلد پر دودھ کی بوتل دھری تھی۔ سرخ روغنی فرش پر خزاں کے مدھم سورج کی مدھم کرنیں بکھری ہوئی تھیں۔ گاردنی

ہاؤس کے سامنے دروازے باغ میں کھلتے تھے جہاں زرد پتّے اُڑ اُڑ کر کواڑوں
اور کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکرا رہے تھے، بڑا سناٹا تھا۔

چند لمحوں بعد برابر کے کمرے میں کھڑ پڑ ہوئی، ہما کا چھوٹا بھائی شہزاد کود کر
پلنگ پر سے اترا اور پھر غسل خانے کے شاور میں سے پانی گرنے کی آواز آنے لگی۔
جو بیڈ روم میں "پیلی کوٹھی" کے رخ پر تھا۔ اس کے دروازے میں ہما کی اماں
مونڈھا بچھائے بیٹھی گیتا پڑھ رہی ہیں۔ کس قدر دقیانوسی مذہبی عورت تھیں۔
اتنے تعلیم یافتہ روشن خیال بچوں کی ایسی اولڈ فیشن ماں۔۔۔! عجیب سا لگتا
تھا! اس کی اپنی ماں بھی اتنی ہی مذہبی تھی۔ اس کی ساس بھی بلقیس کی ماں بھی
شالوں اور ڈوپٹوں میں لپٹی لپٹائی، گڑیا ایسی چھوٹی چھوٹی کمزور عورتیں جو ہر لمحے
اپنے بچوں کے لیے دعائیں مانگتی تھیں۔ اچھے اور برے شگون دیکھتی تھیں۔ برت
اور روزے رکھتی تھیں، مائیں مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ وہ خود ماں تھی۔ ہما بھی اب
ماں بن چکی تھی۔ جو اپنا سارا جرمن فلسفہ بھول کر کل سے اپنے بچے کی معمولی سی
بیماری کی وجہ سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی اور ڈاکٹروں کو فون پر فون کر رہی تھی۔

وہ گیلری کی سیڑھیاں اتر کر باہر آگئی۔ لان کے اس پار "پیلی کوٹھی" کے چبوترے
پر بان کی کھری کھاٹ بچھائے اوما جی جی اپنے لڑکے کو ایک مشہور ہندی
نظم پڑھا رہی تھیں۔ روش کے دونوں طرف بڑے بڑے گلاب روشن تھے۔
وہ روش پر سے گزر کر چبوترے پر آئی اوما جی نے اس کی آہٹ پر سر اٹھا کر
اسے دیکھا۔ خاموشی سے مسکرائیں اور پھر کتاب پر جھک گئیں۔۔۔ "ہاں پڑھو۔۔

بندیلے ہر بولوں سے یہ ہم نے سُنی کہانی تھی۔
خوب لڑی مردانی وہ تو جھانسی والی رانی تھی"

لیکن بچے نے پڑھنے کے بجائے اپنی ماں سے جھگڑنا شروع کیا"۔۔۔

ممی ۔۔۔ میں تو نہیں پڑھتا ۔۔۔ اچھا ایک روپیہ لادو تو آگے پڑھوں گا ۔۔۔"

"چلو شرارت مت کرو ۔۔۔ پڑھو ٹھیک سے۔" اوما جی نے ڈانٹا ۔۔۔

"یہ مردانی کیا ہوتا ہے ۔۔۔ ؟"

"بہادر ۔۔۔" اوما جی نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔

بچے نے ہل ہل کر پڑھنا شروع کیا۔ سیتا چند لمحوں تک ٹھٹھک کر یہ پُر سکون منظر دیکھا کی۔ پھر ہما کے پرانے کمرے میں داخل ہوئی جہاں ہما اپنے بیاہ سے پہلے رہا کرتی تھی۔ الماریوں میں اس کی کتابیں بیکسی کے عالم میں پڑی تھیں۔ دیواروں پر ماتی پوری ٹوپیاں اور جگن ناتھ جی کے چوبی بت آویزاں تھے۔ برابر کے کمرے کی ایک الماری بھی دیوی دیوتاؤں سے بھری تھی ۔۔۔ درمیانے تختے پر دیوی کی ننھی سی مسہری تھی۔ منگل کے منگل دیوی کو اشنان کرا کے بھوجن کرایا جاتا تھا۔ اور نئی پوشاک پہنائی جاتی تھی۔ اس گھر میں دیوی دیوتاؤں کی اس قدر بھرمار تھی کہ سیتا کا جی ہولا جاتا تھا۔ ہما ان مورتیوں کو فرنیچر کا ایک حصہ سمجھ کر ان کی طرف سے بالکل بے نیاز تھی۔ وہ "مذہبی" یا "غیر مذہبی" کچھ بھی نہیں تھی۔ ایک بے حد نارمل قسم کی لڑکی تھی۔ یہ تو سیتا ہی کے دماغ میں فتور تھا کہ وہ مذہب، سیاست، زندگی، موت دنیا بھر کی ہر چیز کے متعلق سوچ سوچ کر دیوانی ہوئی جاتی تھی۔ مگر اب ہما بھی اپنے نوزائیدہ بچے کو لے کر ہر منگل کو اپنی ماں اور پھوپھیوں کے ساتھ کالیکا جی کے مندر جاتی تھی۔

سیتا ڈرائنگ روم سے نکل کر سامنے کے برآمدے میں آگئی۔ جدھر سے پرائیویٹ روڈ بل کھاتی ہوئی علی پور روڈ کی سمت مڑتی تھی۔ سامنے سے ہما کی ایک اور کزن پرمیلا اپنے دفتر سے واپس آرہی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلا کر

سیدہما کو ہیلو کہا اور امریوں میں غائب ہو گئی۔ سیتا پھر اندر لوٹی اور سارے کمروں میں گھومتی پھری اسے یہ کوٹھی ہمیشہ سے پسند تھی اس گھر میں آکر اس کے مکینوں سے مل کے اسے ہمیشہ ایک عجیب سی راحت اور حفاظت کا احساس ہوتا تھا۔ ان لوگوں کی زندگی کتنی پرامن تھی۔ ان کے یہاں کوئی دماغی یا نفسیاتی یا جذباتی الجھنیں نہیں تھیں۔ ساڑھے ستر برس سے یہ خاندان ان پانچ چھ بڑی بڑی کوٹھیوں میں اسی طرح رہتا آیا تھا۔ ان کے پرکھے اورنگ زیب کے زمانے سے مغل دربار میں وقائع نولیس اور منشی رہے تھے اور مغل بادشاہوں نے ان کو رائے رایہ کا خطاب دیا تھا سعید احمد مادہردی کی کتاب "امرائے ہنود" کے کئی ابواب اس خاندان کے بزرگوں کے تذکرے سے پر تھے دلی کی ٹکسالی اردو کے سلسلے میں اس کاستھ گھرانے کی زبان بھی سند کے طور پر پیش کی جاتی تھی، ہما کے دادا صاحب دیوان تھے۔ پردادا نے لغت تصنیف کی تھی نگڑدادا نے فارسی شعرار کا تذکرہ لکھا تھا۔ ہما کی اماں بعض دفعہ ایسے ایسے محاورے استعمال کر جاتیں جو سیتا کی سمجھ میں نہ آتے جس پر وہ کہتیں ـــــ اری لکھنؤ میں تیری سسرال ہے اب تو زبان سیکھ لے۔" پھر خود ہی ناک بھوں پڑھا کر کہتیں ـــــ" اور لکھنؤ والے نگوڑے بھی اردو کیا جانیں ـــــ لو ریتے نہیں ـــــ"

واقعی یہ اس قدر شائستہ، مہذب، نستعلیق، بے حد وضعدار اور بے انتہا غیر سیاسی قسم کے لوگ تھے کہ سیتا کو حیرت ہوتی تھی اتنا بڑا ہنگامہ آکر گزر گیا۔ دنیا تہہ و بالا ہو گئی مگر یہ لوگ اسی سکون سے یہاں بیٹھے رہے۔ وہ خود بے خانماں ہو کر ہندوستان کے مختلف ریفیوجی کیمپوں میں سے ہوتی ہوئی ۱۹۴۸ء میں دلی آئی تھی۔ یہاں اس کی ملاقات ہما سے بلقیس کی بڑی بہن فرخندہ باجی کے گھر پر ہوئی تھی۔ جو لوک سبھا کی ممبر تھی۔ ان کے وہاں صبح سے شام تک شرنارتھیوں اور ہراساں

مسلمانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اور وہ انتہائی دردمندی اور صبر کے ساتھ ان سب کے لیے دوڑ دھوپ کرتی رہتیں۔ ہما جو اسی سال آئی۔ اے۔ ایس میں کامیاب ہوئی تھی، وزارتِ آبادکاری میں کام کر رہی تھی۔ اس روز فرخندہ باجی کے ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی ایک خوفزدہ سی لڑکی کو بلقیس نے اپنے قریب بلا کر ہما سے کہا تھے ——— (جو اسی وقت اپنی لمبی عنابی رنگ کی نیشن ڈرائیو کرتی ہوئی آگر اتری تھی) "ہما ——— اُو ماجی جی کل سندھی کڑھت کی ساری بنوانے کو کہہ رہی تھیں۔ سیتا کی والدہ بڑی خوبصورت ساریاں کاڑھتی ہیں"

"او ——— ہاؤ وَنڈرفل ———" ہما نے کہا تھا "ایک کاٹن ساری کا پلّو اور بیل آپ کتنے میں بنوا دیں گی ——— ؟"

"دس روپے ———" سیتا نے کڑوا گھونٹ پیتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اس وقت یہ محسوس کر کے کہ وہ ایک مفلس اور قابلِ رحم شرنارتھی ہے۔ اس کا سارا بدن کانپنے لگا تھا ——— پھر ایک روز وہ بلقیس کے ساتھ ہی ہما کے گھر گئی تھی۔ اس کے کنبے کے دوسرے افراد کی کوٹھیاں پاس پاس تھیں اور اپنے رنگوں کی مناسبت سے مشہور تھیں۔ ہما اپنے والدین اور بھائی بہنوں کے ساتھ "پیلی کوٹھی" میں رہتی تھی۔ اس کے تایا "نیلی کوٹھی" میں، منجھلے چچا "لال کوٹھی" میں اور چھوٹے چچا "ہری کوٹھی" میں رہتے تھے۔ یہ سب بے حد زندہ دل، خوش باش، دوست نواز اور پر خلوص قسم کے لوگ تھے۔ ان کی ان گنت لڑکیاں کالجوں اور اسکولوں میں پڑھ رہی تھیں۔ لڑکے بھی زیادہ تر زیرِ تعلیم تھے۔ شہزادے، مہتاب، اقبال، گلزار، نہال، خوشونت اور جانے کون کون ——— غرور ان لوگوں میں نام کو نہیں تھا۔ اس کے باوجود سیتا شروع شروع میں ان سے کھنچی کھنچی رہتی۔ وہ اس وقت بہت کم عمر اور بے حد حساس تھی۔ فرخندہ باجی اور ہما اس سے بڑی بہنوں جیسا برتاؤ کرتیں۔ تو اس کی آنکھوں میں فوراً آنسو آجاتے۔

یہ اس کے ساتھ کیسی مصیبت تھی کہ دردمندی اور اخلاص کی ایک ایک ذرا ذرا سی بات اس کے دل پر لکھی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ گرمیوں میں جب وہ سب نرگس کی نئی فلم کا سیکنڈ شو دیکھنے کناٹ سرکس گئے تھے اور برآمدے کے ستونوں کے پاس ایک پھول والا جوہی کے گجرے بیچ رہا تھا۔ سیتا نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا ہی تھا کہ نعمت ماما نے فوراً اس کے لیے گجرا لا دیا تھا۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ سینما دیکھنے اس جگہ پر گئے تو نعمت ماما کار سے اتر کر خود ہی لپکے ہوئے جا کر گجرا خرید لائے تھے۔ — "مجھے معلوم ہے تمہیں سفید پھول پسند ہیں —" انہوں نے کہا تھا — نعمت ماما اب اُتر پردیش میں کہیں فارمنگ کر رہے تھے۔ ان کا بیاہ ہوگیا تھا۔ شہزاد بھی اب بڑا ہو چکا تھا بلکہ اسے تو آئی۔ اے۔ ایس میں آئے بھی سات آٹھ سال ہونے والے تھے۔ اب تک وہ مغربی بنگال کے اضلاع میں تعینات تھا اور حال ہی میں تبدیل ہو کر مرکز میں آگیا تھا۔ ہما کے والد کے انتقال کو اب تین سال ہو چکے تھے۔ ہما نے شادی کر لی تھی اور شوہر کے لندن جانے کے بعد وہ گارڈن ہاؤس میں اپنے والد کے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے بچے میں اس قدر مصروف تھی کہ سیتا کی طرف توجہ کرنے کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ شہزاد تندہی سے تھیٹر ہوومنٹ میں جٹا ہوا تھا۔ ہما کی ساری چچازاد بہنیں تعلیم سے فراغت پا کر ملازم ہوگئی تھیں۔ چند ایک اپنے اپنے گھر سدھار چکی تھیں۔ لڑکے بڑے ہو گئے تھے۔ اقبال اور مہتاب فوجی افسر تھے۔ اور کشمیر میں تعینات تھے۔

پچھلے نو سال میں اس خاندان میں کافی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ یہ گھر جو ہمیشہ امن سکون کا گہوارہ معلوم ہوتا تھا۔ ذرا بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود دیکھیر بدل چکی تھی۔

لیکن یہ کمرے، یہ قالین، پرانا فرنیچر، تصاویر، پردے، فرش کے مائیل، باغ کے پھول، ہر چیز ویسی ہی تھی۔ یہ اب گھر بھی بندرگاہ میں ٹھہرا ہوا ایک محفوظ خاموش جہاز تھا جس میں کبھی کبھی اگر وہ یہاں کے سکون سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی تھی آس پاس کی رنگ برنگی کوٹھیاں بھی ہمیشہ کی طرح پرسکون نظر آرہی تھیں۔ نیچے بل کھاتی ہوئی طویل خاموش سڑک کے پرے جمنا جی اسی سکون سے بہہ رہی تھیں۔ کیا واقعی زندگی میں اتنا سکون ممکن ہوسکتا ہے؟ کمروں کا چکر لگا کر وہ پھر سما کے پرانے کمرے میں واپس آگئی۔

"اری سیتا، کہاں گھومتی پھرے باؤلی سی۔ باہر آجا۔ اندر بڑی سیلن ہے۔" پچھتے پر سے سما کی اماں کی آواز آئی جو کھڑاؤں پہنے کھٹ کھٹ کرتی اپنے دیوی دیوتاؤں والے کمرے کی طرف جارہی تھیں ——— وہ ان کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں گئی اور ذرا سہم کر دروازے کے پاس کھڑی ہوگئی۔

"اری ان کو پرنام تو کرلے۔ تیرا کیا بگڑ جائے گا بھگوان تو ہر شے میں ہیں۔ اری باؤلی ڈرے کیوں ——— میری بھی ایک بھتیجی نے مسلمان سے بیاہ کرلیا۔ آج کل یہی ہوا چلی ہے۔ اب ان کو گھر سے نکال تھوڑا ہی دیا۔ باپ نے اتنا بڑا ایٹ ہوم دیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا مجھے نگوڑے کا نام ہی یاد نہیں رہتا۔ میری اپنی سما نے غیر کف میں شادی کرلی۔ اتنی دور مرشوا رے چلی گئی ——— پھر اب کیا ہو ——— زمانہ ہی ایسا ہے۔" اماں نے الماری کھول کر منتّے سے دیپ محل میں چراغ جلاتے ہوئے کہا۔

وہ الماری کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی جہاں گھروندے کی طرح دیوی دیوتا سجے تھے۔ پیچھے مہنتوں اور سادھوؤں اور جوگیوں کے فوٹوگراف رکھے تھے۔ اور ان پر گیندے کے ہار پڑے ہوئے تھے۔

ہما کی اماں سے سیتا کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اس وجہ سے وہ ان سے ذرا سی خائف رہتی تھی جب ۱۹۴۸ء میں وہ دلّی آئی تھی تب یہ اپنے بھائی کے پاس لکھنؤ گئی ہوئی تھیں۔ تین سال قبل جب وہ امریکہ سے چند مہینے کے لیے دلی آئی تھی تب ہی ان سے پہلی دفعہ مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ یہ حسب معمول گھاس پر مونڈھا بچھائے گیتا پڑھ رہی تھی۔ ہما نے آگے بڑھ کر کہا تھا "اماں —— یہ سیتا ہے ——"

"آداب عرض ——" سیتا نے حسب عادت ایک ہاتھ سے سلام کرتے ہوئے کہا تھا۔

انہوں نے عینک پیشانی پر چڑھا کر اپنی بڑی بڑی شربتی آنکھیں جھپکتے ہوئے اسے غور سے دیکھا تھا اور ذرا مسکرا کر کہا تھا۔

"نام تو تمہارا سیتا ہے۔ اور تم جے رام جی کے بجائے آداب عرض کہتی ہو ——!"

اور باہر آکر کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے غصے سے کہا تھا "ہما تمہاری اماں بھی خوب ہیں۔ میں جے رام جی کیوں کہوں؟ آئی ایم ناٹ اے بلڈی ہندو ——"

اماں ایک بڑی شدید مقناطیسی آنکھوں والی جوان سنیاسن کی تصویر پر سے ہار بدلنے میں مصروف ہو گئیں۔ گلے میں تلسی مالا پہنے بال بکھرائے اور بغیر بلاؤز کے ساڑھی لپیٹے یہ سنیاسن ایک مرگ چھالا پر بیٹھی کیمرے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور سامنے وچتر دیدیا لکھی تھی۔ دوسری تصویر میں وہی سنیاسن ایک اور بھی زیادہ مقناطیسی آنکھوں والے نوجوان سنت کے ساتھ تخت پر بیٹھی تھی۔ سنت بڑا سخت ہینڈسم تھا۔

"اماں جی —— یہ کہاں رہتے ہیں ——؟" سیتا نے آہستہ سے سوال کیا۔

"یہ —— یہ اپنا شریر چھوڑ چکے ہیں۔"

"اوہ ـــــ واٹ اے پٹی۔ اتنا خوبصورت تھا بے چارہ ـــــ"

"اور یہ ـــــ ؟ اس نے سنیاسن کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ـــــ ؟ رادھا جی ـــــ ! یہ بھی دو برس ہوئے اپنا شریر چھوڑ چکیں۔

"یہ دونوں ـــــ ؟"

"ہاں ـــــ یہ دونوں دنیا کی نظروں میں میاں بیوی تھے۔ بچپن میں رادھا جی کا ان سے بیاہ کر دیا گیا تھا۔ مگر یہ کبھی میاں بیوی کی طرح رہے نہیں۔"

"واٹ رڈی نان سنس ـــــ سیتا نے دل میں کہا۔ اماں اب دیوی کی پوشاک بدل رہی تھیں۔

"اماں آپ کو سادھو سنتوں کی سنگت میں بڑے بڑے طاقتور سنت ملے ؟ کچھ دیر بعد سیتا نے پوچھا۔ اس نے اپنی دانست میں SPIRITUAL POWER کا ترجمہ طاقتور کیا تھا۔ آخر دس سال سے وہ اردو پڑھ رہی تھی ـــــ "مجھے جو سنت ملے بڑی اونچی روحانی طاقت کے ملے ـــــ" اماں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ ـــــ"

"آج دیوی کو ہما کی پھوپھی کے یہاں جانا ہے" اماں نے مورتی پر مکٹ سجا کر کہا۔

"اچھا ـــــ"

وہ باہر آگئی ـــــ"

بے معنی ـــــ بے معنی ـــــ زندگی کس قدر بے معنی تھی۔

اب لان پر ہما کے تین چار کزن جمع ہو چکے تھے۔ ہما گلابی ہاؤس کوٹ میں ملبوس ٹہل ٹہل کر بچے کو سلا رہی تھی۔ شہزادہ بھی نہا دھو کر اندر سے نکل آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت تھا کہ سیتا اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ بہت کم عمر تھا۔ حد سے حد چھبیس ستائیس برس کا رہا ہوگا۔

اوہ بخت کی قیامت کی آنکھیں تھیں، اور کس قدر خوبصورت بال۔

"ہلو سیتا۔ دِس از کیلاش" شہزاد نے کہا۔

"ہلو ـــــ"

مسز جمیل آپ آج ہماری ریہرسل دیکھنے آرہی ہیں ـــــ؟ نوجوان نے بڑی یگانگت اور بے ساختگی سے بات شروع کی ان ڈرامہ گروپ والوں کی بڑی عجیب سی جتھہ بندی تھی۔

" ڈاکٹر ضمیر جنپرانی ـــــ" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ ـــــ آئی ڈو بگ یور پارڈن ـــــ" پھر اس نے شہزاد سے پوچھا۔ یار میں نے اینٹ تو نہیں گرادی ـــــ؟

"ارے نہیں یار ـــــ سب چلتا ہے ـــــ شہزاد نے جواب دیا پھر اس نے مڑکر سیتا سے پوچھا ـــــ "تم ابھی چلتی ہو یا بعد میں آکر پک اپ کر لوں؟"

وہ بے اختیار ہو کر کیلاش کی آنکھوں کو دیکھے جارہی تھی۔ اس کو اس طرح اپنی طرف دیکھتے پاکر کیلاش گھبرا گیا اور زیادہ تندہی سے پرمیلا کے ساتھ بات کرنے لگا

"سیتا ـــــ!" شہزاد نے دوبارہ کہا۔

"اوہ ـــــ" وہ چونکی ـــــ "میں ہما کے ساتھ آجاؤں گی تم لوگ جاؤ"

ہما بچے کی فکر میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کا بخار کم نہیں ہوا تھا اور کسی طرح سوتا نہیں تھا۔ اس نے سیتا کی بات نہیں سنی۔

"ہما ـــــ" سیتا نے کہا

فضول ـــــ فضول ـــــ ہر چیز فضول ـــــ

"اوہ سوری ـــــ ہاں سیتا نہیں میں کیسے جاسکتی ہوں۔ آنند کی یہ حالت ہے۔"

"اچھا تم چھ بجے کافی ہاؤس آجانا ـــــ کیلاش تم کو وہیں سے پک اپ کرلے گا۔" شہزاد نے کہا اور دونوں لڑکے گھاس پر گزرتے کار کی طرف چلے گئے۔

سامنے "نیلی کوٹھی کے چبوترے پر ساری لڑکیاں نٹینگ میں مصروف تھیں۔

اور چلغوزے کھا رہی تھیں اور بڑی آرام دہ نارمل باتیں کر رہی تھیں۔

ہما آپا کو بلوا کر دودھ کی بوتلیں صاف کروانے میں مصروف ہو گئی۔

"ہما ـــــ میں ذرا اپنے گھر ہو آؤں ـــــ" سیتا نے مونڈھے پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"گھر ـــــ؟"

"ہاں ـــــ قرول باغ۔ وہیں سے ان لوگوں کے یہاں چلی جاؤں گی۔ گڈ نائٹ"

"گڈ نائٹ سیتا ـــــ"

وہ اپنا بیگ اٹھا کر سرخ بجری والی سڑک پر آئی اور بس سٹاپ کی طرف روانہ ہو گئی۔

۴

کامران ایک ستون کے پیچھے چھپا کچھ کھڑ پھڑ کر رہا تھا۔ پھر اس نے فرش پر پڑے ہوئے تاروں کے لچھے پر جھک کر سوئچ دبا دیا۔ اسٹیج پر مدھم سفید اُجالا پھیل گیا —— اسٹیج ڈائریکٹر نے خالی آڈیٹوریم کو مخاطب کیا

"—— قصہ مختصر کرتا ہوں —— مجھے اکادمی کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے —— تم کو چاہیے کہ "راکششں کی انگشتری" نامی ناٹک جو مہاراجہ بھاسکر دت کے بیٹے اور سامنت دانیشور دت کے پوتے تمثیل نگاروں ساکھ دت نے لکھا آج پیش کرو —— میں بھی بہت مطمئن ہوں کہ ایک ایسے مجمع کے سامنے یہ ناٹک کھیلا جائے گا جو ایک ادبی تخلیق کی خوبیاں سراہ سکتا ہے۔

کیونکہ ——

دھان کی اچھی فصل کا انحصار بونے والے کی ذاتی خوبیوں پر نہیں ہوتا ——

نہ مدرا راکھشس کے پہلے منظر کا اولیں مکالمہ۔

اب میں گھر جاتا ہوں تاکہ اپنی گھر والی کے ساتھ سنگیت کی تیاری کر سکوں ـــــ پھر اس نے اسٹیج کا ایک چکر لگایا ـــــ "یہ رہا ہمارا مکان ـــــ اب میں اندر جاتا ہوں ـــــ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ آہا کیا بات ہے! ایسا لگتا ہے جیسے کسی تہوار کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ نوکر اپنے کام میں مصروف ہیں، ایک داسی پانی لا رہی ہے دوسری خوشبودار جڑی بوٹیاں کوٹتی ہے۔ یہ لڑکی ہار گوندھنے میں جٹی ہے۔ اور اس داسی کو دیکھو جو کوٹنے چھاننے کے ساتھ گنگناتی جاتی ہے۔ اب میں گھر کی بی بی کو بلاتا ہوں۔

کھٹاک ـــــ پلائی ووڈ کا بڑا تختہ ایک طرف کو سرکا اور سردار پردیپ سنگھ ادوراں پہنے ہاتھ میں ہتوڑا لئے نمودار ہوئے۔

"پردیپ تم کو بھی اسی وقت حملہ کرنا ہے" بلقیس نے ہال میں سے چلا کر کہا۔ "پھر تو بیڑا غرق ہو گیا ـــــ "شہزاد کدھر ہے؟" پردیپ نے غصے سے کہا۔

"ارے رے رے یہ تخت ادھر گھسیٹو بھائی"

"اے پاکباز عورت سگھڑ اور خوش تدبیر ـــــ میرے گھر کی سیاست کی ماہر ـــــ اے میرے گھر بار کی مالکہ ـــــ ادھر آ ـــــ" راکیش بولے چلا جا رہا تھا۔ اب "ایکٹرس" سامنے آئی "مہاراج میں یہاں ہوں اپنی ہدایات سے مجھے سرفراز کیجیے"

بلقیس نے پھر آواز دی ـــــ "راکیش اس کے آگے جہاں ظالم حملہ آور والا جملہ ہے اسے ذرا پھر سے کہو ـــــ"

"اچھا ـــــ دیکھو! ظالم حملہ آور، کیتو کے ساتھ چندرماں کو زیر کرنا چاہ رہا ہے ـــــ ہا ـــــ کون ہے!! جب کہ میں یہاں کھڑا ہوں اور ـــــ"

اب سات بجا چاہتے ہیں، سیتا اب تک نہیں آئی۔ بلقیس نے گھڑی پر نظر ڈال کر سوچا ـــــ اب پاٹلی پتر کے نند راجہ کے وزیر راکھشس کا دوست "چندن داس" کہہ

رہا تھا! ــــــ

"میرے سر پر بادلوں کی گھن گرج ہے"

میرا پریتم بہت دور ہے۔ یہ کیا ہوا ــــــ؟

امربوٹیاں برفیلے پہاڑوں پر ہیں۔

"اور سر پر کنڈلی مارے ناگ بیٹھا ہے"۔

"ــــــ اب چندر گپت "شاہی فرماں روائی" کے متعلق کہہ رہا تھا ــــــ

"وہ مغروروں سے جھجکتی ہے ڈرپوکوں کے پاس نہیں رہتی، کیونکہ اسے بے آرامی سے ڈر لگتا ہے۔ اسے احمقوں سے نفرت ہے، وہ بڑے بڑے گنوانوں سے بھی بے تکلف نہیں رہتی ہے، بہادروں سے گھبراتی ہے۔ دلکش ناری کے مانند اسے بھی مشکل سے رام کیا جائے گا۔

"سیتا جی آ گئیں" کامران نے "چانکیہ کے مکان کی کھڑکی میں سے منڈیا نکال کر للتا کو بتایا۔ سبیتا ہال میں سے گذر کر پہلو کے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی جہاں اندھیرا تھا۔

کامران نے دوسرا سوئچ دبایا۔ اسٹیج پر اداس زرد روشنی پھیل گئی ــــــ اب چندر گپت کہہ رہا تھا،

"افق کا منظر خزاں نے کتنا خوبصورت بنا دیا ہے۔

کیونکہ ــــــ

آہستہ آہستہ خشک ہوتی ہوئی ندیوں کے دونوں طرف

ریتیلے کنارے جگمگا رہے ہیں

سارسوں کے ہجوم اور کنول کے جھنڈ

اور چاندی کے بادل اور اڑتے ہوئے بگلے

اور شام کے آسمان پر سلگتے ستارے ــــــ"

"سیتا —" بلقیس نے برآمدے میں نکل کے پکارا

"ہائی ۔ بلی —"

بلقیس اس کے نزدیک جا کر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی "یہاں کافی خنکی ہے اندر چلو۔"

"نہیں — یہیں ٹھیک ہے —"

"اتنی دیر میں کیوں آئیں ہم لوگ کافی بنا رہے تھے اس وقت تمہارا بہت انتظار کیا تمہارے لیے دو تین فون بھی آئے تھے"

"کس کے —؟"

"معلوم نہیں سنو سیتا — اس وقت تم نے میری بات پوری نہیں سنی اور کھٹ سے فون بند کر دیا —"

"اب اور کون سی بات بتانا رہ گئی تھی تم کو؟"

"وہ تو ٹھیک ہے سیتا ڈیر — مگر — بلقیس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اصل میں کل رات منجھلی خالہ نے کراچی سے ٹرنک کال کیا تھا قیصر کی شادی ہے نا اگلے ہفتے، تو منجھلی خالہ نے سخت اصرار کیا ہے کہ تم اس میں ضرور شریک ہو — بڑی خالہ تلسی پور سے نہیں جا سکیں اصغر بھیا کی بیماری کی وجہ سے۔ ان کی بہو کی حیثیت سے ان کی نمائندگی تمہیں ہی کرنا ہے وغیرہ وغیرہ —" اس نے حلق صاف کیا۔ سردی کے باوجود پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"کراچی — سیتا کا دل دھک سے رہ گیا "کراچی —"

"ہاں ہاں، اور کیا —" بلقیس نے دفعتاً خود کو سنبھالا اور پھر ایکٹنگ شروع کر دی۔

"چلی چلو بڑا مزا آئے گا سب پاکستانی رشتہ داروں سے ملیں گے۔ ان سب کو

تو میں نے نو سال سے نہیں دیکھا۔ آٹھ دس دن بعد چلے آئیں گے۔ نادر نے بہت لمبا چوڑا پروگرام بنا کر بھیجا ہے۔ ہو سن بوڈ اور دیکھتے ہوئے کار کے ذریعے لاہو جائیں گے، وہاں دو روز منور باجی کے، ہاں ٹھہر کر واپس دلی ——— کیا خیال ہے؟ پھر وہ سیتا سے نظریں نہ ملا سکی اور جلدی سے تمثیل کا فائل الٹنے پلٹنے لگی۔ "چلو چلو واقعی پھر اگلے مہینے مجھے تھیٹر سیمنار کے لیے بمبئی جانا ہے"۔

"مجھے معلوم ہے تم بہت مصروف بہت اہم آدمی ہو ہندوستان کا سارا تھیٹر مومنٹ تمہارے ہی دم سے چل رہا ہے"۔

"بکو مت ——— ارے ارے ——— رو کیوں رہی ہو کریک داس گپتی ——— چلو ہمارے ساتھ کراچی" پھر اس نے خوش دلی کی سعی کی۔ "ذرا سوچو میں آج تک کسی فارن کنٹری نہیں گئی۔ ایک فارن کنٹری تو دیکھ آؤں بقول مجاز ———"

سیتا خاموش رہی۔

"چلو یہاں سے مسز سین کے ہاں جانے کے بجائے سیدھے گھر چلیں گے اور کھانے کے بعد بیٹھ کہ اسکریبل کھیلیں گے، اب کی دفعہ لیٹن لفظ بنائے جائیں اتنی دیر میں کیوں آئیں؟ کیا اپنے گھر چلی گئیں تھیں؟"

"ہاں ——— میں ——— کچھ دیر ممی کے پاس چپ چاپ بیٹھنا چاہتی تھی،"

"تم نے ——— تم نے ان کو بتلا تو نہیں دیا؟"

"ہاں ——— بتا دیا ———"

"کیا کہتی تھیں؟"

"کچھ نہیں۔ کہنے لگیں، سب کرموں کا پھل ہے ———"

اندر سے چندر گپت کی آواز پھر بلند ہوئی۔ وہ اپنا مکالمہ دہرائے جا رہا تھا۔

"اور چاندی کے بادل اور اڑتے ہوئے بگلے"۔

اور شام کے آسمان پر سلگتے ستارے ـــــ"

منجھلی خالہ کا خط میرے پاس بھی آچکا ہے" سیتا نے آہستہ سے کہا: بڑے بھیا کا بھی۔ ابھی میں نے ممی سے یہ بھی کہا کہ منجھلی خالہ نے مجھے کیسر کے بیاہ کے لیے کراچی بلایا ہے۔ کہتے ہیں: ضرور جاؤ۔ تمہارا اصل گھر تمہاری سسرال ہے کراچی میں تمہارے جیٹھ رہتے ہیں اور جیٹھ سسر کے برابر ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہرگز مت ٹالو ـــ اینڈ سو آن اینڈ سو فورتھ ـــــ"

بلقیس برآمدے کے نیچے لگے ہوئے پھولوں کو دیکھتی رہی۔ اب کہرہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک فرض شناس ڈائرکٹر کی حیثیت سے اندر سے آتی ہوئی "چندرگپت" کی صاف اور گہری آواز پر کان لگا دیئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔"

"اور شام کے آسمان پر سلگتے ستارے"

اور پھر ـــــ

ندیوں کی اٹھتی لہریں موسم کی بات مان کر اپنے اپنے دھاروں میں سمٹ گئیں

دھان فرط انکسار سے جھک گئی

مور اپنا غرور چھوڑ چکے ہیں

اچنبھے کی بات ہے کہ کس طرح ساری دنیا کو

خزاں نے معقولیت کے راستے پر چلنے کے لیے دھیما کر لیا۔

ایسی کٹنی کی مانند جو محبتوں کے قصے بڑی مہارت سے سناتی ہو

پت جھڑ نے گنگا کو دریاؤں کے خدا کے پاس پہنچا کر اس کے سکون کو بحال کر دیا ہے"۔

اب "بھاٹ" کہہ رہا تھا ـــــ"

"آسمان پر اس کے پھولوں کی پیلی روشنی

شیو کے جسم کی راکھ کی ایسی پھیلی ہے

ٹھنڈی کرنوں والے چاند نے بادل بکھیر دیے ہوں۔

شیو کی ہاتھی کی کھال کی مانند گرد آلود دیکھے،

تیز چاندنی اس کی کھوپڑیوں کی مالا کی طرح چمک رہی ہے

ہوا میں اڑتے راج ہنس

اس کی ہنسی کی مانند جگمگاتے ہیں۔

خدا کرے خزاں جو شنو کے بدن کی مانند زرد ہے

تمہاری مشکلیں دور کرے ـــــ"

ـــــ اب "چانکیہ" کہہ رہا تھا ـــــ

"چاروں ساگروں کے ریتیلے ساحلوں تک جن پر تار کے پتوں سے تاریک جنگل سایہ کئے ہوئے ہیں جن کے گہرے پانی ہیبتناک مچھلیوں کے تیرنے سے مضطرب ہیں۔

تمہارا حکم تازہ پھولوں کے گجرے کی مانند

ایک سو راجاؤں نے اپنے سر پہ لیا ہے۔"

"بلقیس ـــــ" پیچھے سے کیلاش کی آواز آئی۔ وہ ہال کے آخری دروازے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف آیا۔

"ہاں بھئی" بلقیس نے پیچھے مڑ کر دریافت کیا "واٹ اِز اِٹ؟"

"تعارف میں کیا کیا لکھا جائے گا؟ وہ فرش پر دو زانو بیٹھ گیا۔" آؤٹ لائن بتا دو میں اندر جا کر لکھ لوں گا۔"

"ارے بس بھئی لکھ دو کہ یہ ماڈرن تھیٹر کی چوتھی کلاسیکل پیش کش ہے۔"

"یہ تم نے کس قدر نئی اور پر دفاؤنڈ بات بتائی ہے مانتا ہوں۔"

اور یہ لکھو کہ ـــــ بلقیس نے سوچتے ہوئے سر کھجایا۔

" ساتویں ایکٹ کا الگ الگ خلاصہ۔ اور شروع میں کیا لکھوں ؟"

بلقیس نے فائل کھولا۔ یہاں کچھ ٹپ ہی نہیں رہا۔ اندھیرے میں یہ لکھ دو کہ یہ ناٹک چوتھی صدی عیسوی میں گپتا عہد میں لکھا گیا۔ ڈراماٹسٹ وساکھ دوت اس کا مصنف تھا۔ لاؤ مجھے دو ــــــ میں پڑھتی جاتی ہوں" دروازے میں سے آتی ہوئی مدھم روشنی کی طرف جھک کر اس نے کاغذات پلٹے "وساکھ دوت اس کا مصنف تھا۔ شہنشاہ چندرگپت دوئم کے عہد میں پاٹلی پتر میں پہلی بار اسٹیج ہوا۔ ۔۔ رگپت دوئم کا زمانہ ــــــ شاید ۳۷۵ء سے ۴۱۳ء تک ہے، کتاب میں سے چیک کر لینا۔"

" سیتا اٹھ کھڑی ہوئی " میں ذرا باہر جاتی ہوں"۔

بلقیس نے اس کی بات نہیں سنی وہ اپنے کام میں دوبارہ منہمک ہو چکی تھی۔ تما کی طرح اس کے پاس بھی سیتا کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں تھی وہ کہتی رہی۔ اور یہ لکھو کہ بڑا سخت سیریس اور سیاسی قسم کا پلے ہے۔ سنسکرت ڈرامے اور جیورا آرٹ تھیٹر کا ذکر کروا گلے پیراگراف میں ــــــ ریتو نے آؤٹ تیار کر دیا۔

"گیلی پریس سے آجائے تب ہی تو وہ لے آؤٹ بنائے گی۔ کیلاش نے جواب دیا۔

ــــــ اندر چالکیہ" کہہ رہا تھا: ــــــ

چیلیں اور گدھ دھوئیں کے مرغولوں کی طرح آسمان پر چکر کاٹ رہے ہیں۔ دوران پرواز میں ان کے پر بالکل ساکن ہیں۔

گھوڑے آسمان کو اپنی ٹاپوں سے اُوائے دنے رہے ہیں

فوجوں کے آگے آگے چلنے والے ہاتھی ساکت کھڑے ہیں اور

جوار بھاٹا کے نشانوں کی مانند ان کی گھنٹیاں خاموش ہیں ــــــ

سیتا پوری عمارت کا چکر لگا کر پھر برآمدے میں آگئی۔ بلقیس اور کیلاش اسٹیج کیطرف

جا چکے تھے۔

وقت ہے کہ اڑا چلا جا رہا ہے وہ پھر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

اندر پانچویں ایکٹ میں شہزادہ ملایا کیتو کا جعلی دوست بھاگورائین شہزادے سے مخاطب تھا:——

راجکمار! وہ جو سیاست میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں سیاسی مقاصد کی ضرورت دشمنوں، ساتھیوں اور غیر جانبدار فریقین کی گروہ بندی کا تعین کرتی ہے۔ غیر سیاسی انسانوں کی طرح محض ذاتی پسندیدگی کی بنا پر یہ دوستیاں استوار نہیں کی جاتیں شہزادے——! سیاسی مقاصد کی وجہ سے دوست دشمن ہیں اور دشمن دوستوں میں تبدیل کر دیے جاتے ہیں حکمتِ عملی سارے پرانے بندھنوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہے۔ جس طرح انسان اپنی موجودہ زندگی میں اپورب جنم کی باتیں بھول جاتا ہے——

ایک "افسر" اسٹیج پر آیا۔

"مہاراج کی جے ہو!" اس نے کہا "حفاظتی چوکی کے نگران دیرگھ چکشو کی عرضداشت ہے کہ ایک شخص جس کے پاس پروانہ راہداری نہ تھا ایک خط کے ساتھ شاہی خیمہ گاہ سے فرار ہونا چاہتا تھا—— اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

اب "بھاگورائین" کہہ رہا تھا:——

مہاراجکمار! کسم پورہ پر حملہ بول دینا چاہیے۔

تاکہ——

مودھرا کے پھولوں کے غازے سے سجے رخساروں والی گوڑ کی عورتوں کے چہرے خاک آلود ہو جائیں اور ان کے بھنورا ایسے گھنگریالے بالوں کی چمک ہمارے شہسوار دستوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی دھول کے ستونوں میں چھپ جائے اور خاک کے بگولوں کے یہ ستون ہمارے جنگی ہاتھیوں کی سونڈوں سے برستے پانی سے کٹ کر دشمن کے

سروں پر جاگریں۔"

برآمدے میں سے ایک گروہ باتیں کرتا گرین روم کی طرف چلا گیا۔ برساتی میں سے ایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی، چاند املتاس کی اوٹ میں سے نکل آیا۔

کچھ دیر بعد یہ سب لوگ مسز ڈولی سین کے یہاں جائیں گے اور سگریٹ کے دھوئیں سے بھرے ہوئے ڈرائینگ روم کے قالینوں پر بیٹھ کر زیادہ جوش و خروش سے اپنی پروفیشنل گفتگو میں مصروف ہوں گے۔

پیچھے سے اسے کیلاش کی آواز سنائی دی۔ وہ گیلری سے نکلتے ہوئے پردیپ سے کہہ رہا تھا۔ "مسز سین کے ہاں جانے سے پہلے باہر جا کر تھوڑا حلق تر کر لیا جائے ــــ"

یہ حلق تر کرنا اسے بھی بہت پسند تھا۔ ان لڑکوں کو یہ بات معلوم نہیں ورنہ وہ اسے فوراً مدعو کر لیں۔ ان کے گروہ کی کوئی لڑکی ڈرنک نہیں کرتی تھی۔ اب گیارہ بج رہا ہے۔ بارہ بجے گا۔ آدھی رات ہو گی۔ فقط ڈرنک کر کے یہ احساس ہوتا ہے کہ وقت معدوم ہو گیا۔ کیلاش کتنا خوبصورت ہے۔

ڈرامہ قریب الختم تھا۔ اور "سمیدھر" کہہ رہا تھا:ــــ

"ان دوستوں سے جدائی جن کی جگہ دل میں ہے۔
راگ رنگ میں مصروف اور شراب خانوں میں مے نوشی کرتے ہوئے بھی دل میں کھٹکتی ہے۔"

کیا حسب حال مکالمہ ہے۔ اوہ مسکرائی کس سے جدائی ــــ؟ کس کی جدائی ــــ؟ اس کی جدائی ــــ؟ اور کھٹک کیسی ــــ؟ ڈیم ــــ ڈیم ــــ

اب آخری ایکٹ کے شروع میں "راکھشس" آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا:ــــ

"یہ باغ کتنا سنسان ہے
کیونکہ یہاں ــــ

بارہ دری جو ایک طاقتور شاہی خاندان کی طرح تعمیر کی گئی تھی ٹوٹ کر گر چکی ہے۔

بغیر پھولوں کے درخت نااہل بادشاہوں کی سیاسی کارروائیوں کی طرح اجاڑ ہیں

زمین پر جھاڑ جھنکاڑ بے وقوف انسانوں کے دماغ کے ناقابلِ عمل منصوبوں کی طرح اُگ رہا ہے۔

اور ـــــ

کلہاڑیوں سے کٹی ہوئی شاخیں فاختاؤں کی کوکو کی وجہ سے گویا درد سے کراہ رہی ہیں۔ سانپ اپنے پیارے دوستوں کے اس دکھ کو دیکھ کر ان کی ڈالیوں سے اس طرح لپٹے ہیں جیسے ان کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوں ـــــ

پتیوں سے عاری درخت اس طرح کھڑے ہیں جیسے کسی کی ارتھی کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔"

اسٹیج کی روشنیاں بجھنے لگیں۔ کامران نے ہال میں سے اسے پکارا ـــــ "سیتاجی ـــــ"

وہ چونکی ـــــ

"آپ کا فون ـــــ مسٹر چودھری ـــــ"

وہ اٹھ کر اسٹیج کے پچھلے کمرے میں گئی بلقیس اور کیلاش میز پر جھکے تندہی سے تعارفی کتابچے کا مضمون لکھنے میں مصروف تھے۔

"آج تمہارے بہت فون آئے ہیں بھئی ـــــ" للتا نے اسکرپٹ پر سے سر اٹھا کر کہا۔

ہیلو ـــــ" اس نے رسیور اٹھایا۔

"ہیلو ـــــ سیتا ـــــ"

"ہیلو یس ـــــ؟"

"سیتا ـــــ ہم قمرل بول رہے ہیں ہم آج ہی صبح کلکتے سے آئے ہیں فیسٹول

کے لیے اپنا پلیے لے کر — تم کو صبح سے کسی جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی — آخر معلوم ہوا کہ تم ادھر بلقیس کی ریہرسل میں آنے والی ہو — بلقیس کیا پروڈیوس کر رہی ہے —؟

"ہاؤ آر یو — قمر —؟"

"فائن — تم بتاؤ — نیویارک سے کب آئیں —؟"

"کافی دن ہو گئے۔ تم تو بہت عرصہ سے یہیں ہو —"

"ہاں لیکن مارچ میں ہم ماسکو جا رہے ہیں یہی پلیے کے ساتھ۔ اور کچھ پرانی باتیں کرو سیتا — نیویارک ہمارے آنے کے بعد اداس تو نہیں ہو گیا" ہاؤ از اولڈ جمیل — بعد میں اس سے ملنا ہوا —؟ تمہارا کیا پروگرام ہے؟ سیتا تمہیں دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا ہے — سنو تم ایسا کرو — کہ تم ابھی کونسٹی ٹیوشن ہاؤس آجاؤ، یہاں سے اکٹھے اشوکا ہوٹل چلیں گے۔ پروجیکشن بابو نے پارٹی میں بلایا ہے۔ نہیں تم گیٹ کریشنگ بالکل نہیں کرو گی۔ پروجیکشن کو نہیں جانتیں پھر تم نے اب تک دنیا میں کیا کیا ہے؟ ! میں تمہاری "نہیں" نہیں سنوں گا۔ آرہی ہو نا؟ گڈ — ابھی فوراً آجاؤ —"

سیتا ہنس ہنس کر اس کی باتوں کا جواب دیتی رہی اور بلقیس لکھتے لکھتے سر اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا کی۔

۵

سیتا سے بات کرنے کے آدھے گھنٹے بعد ابوالفصاحت قمرالاسلام چوہدری اشوکا ہوٹل کی طرف رواں تھا۔ چند منٹ قبل مادھوری رنگاراڈ اپنی کار میں اسے لینے کے لیے آ پہنچی تھی اور کہا تھا چلو جلدی، پارٹی میں تمہارا بہت دیر سے انتظار ہو رہا ہے اور اس وقت تک وہ بالکل بھول چکا تھا کہ اس نے سیتا کو کونسٹی ٹیوشن ہاؤس بلایا ہے۔

قمرالاسلام چوہدری مرشد آباد کا رہنے والا تھا۔ اس کی بہت خوبصورت آواز تھی لانبی لانبی پلکیں، سانولا رنگ، خالص رومینٹک شکل۔ وہ ایسا آدمی تھا جس پر کالجوں کی شاعر پرست لڑکیاں زہر کھاتی ہیں۔ کلکتہ سے ایم اے کرنے کے بعد کئی سال تک وہ ترقی پسند ڈرامے پروڈیوس کرتا رہا۔ فلموں میں کام کیا۔ بنگالی اور انگریزی میں شاعری کی، فنکاروں کے ڈیلی گیشن کے ساتھ روس، مشرقی یورپ اور

عوامی چین کے لگائے پھر امریکا چلا گیا، وہیں اس کی انگریزی شاعری کو ڈسکو
کیا گیا، حال ہی میں اس کی نظموں کا پہلا مجموعہ لندن سے شائع ہوا تھا جس نے
انگریزی ادب میں دھوم مچا دی تھی، ڈوم موریز کے بعد یہ دوسرا ہندوستانی
تھا جس نے انگلستان اور امریکہ کے عظیم ترین نقادوں سے اپنی شاعرانہ صلاحیت
کا لوہا منوا لیا تھا۔ نیو اسٹیٹس مین اور ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ میں اس کے متعلق
لمبے لمبے مضمون لکھے جا رہے تھے، اتنی بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے کے بعد
وہ لڑکیوں کی نظروں میں اور زیادہ گلیمرس ہو گیا تھا۔ مگر قمر الاسلام کافی لیاڑی
اور غیر ذمہ دار تھا۔ دوستوں سے پیسے اُدھار لے کر واپس نہ کرتا تھا۔ عموماً بیکار
رہتا تھا، وہ اس قسم کا آدمی تھا جسے عورتوں پر خود عاشق ہونے کی زحمت گوارا
کرنی ہی نہیں پڑتی تھی، عورتیں اسے اپنا محبوب بنانا زیادہ پسند کرتی تھیں،

بلقیس کو وہ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور وہ اسے ابو الحماقت قمر الاسلام چوہدری
کہتی تھی۔ اس کی غیر پروفیشنل حرکتوں سے جلتی تھی اور اس کے پوز کو برداشت
نہیں کر سکتی تھی،

ان دنوں مادھوری زنگاراؤ اس پر بُری طرح فدا ہو چکی تھی، وہ ملاباری حسن
سا کل نمونہ تھی اور سیتا سے کہیں زیادہ دلکش اور فرمانبردار تھی

اور اس کو سیتا سے کہیں زیادہ گرم
جوشی سے چاہ رہی تھی، سیتا کے متعلق اسے یقین نہ تھا کہ وہ اب اس کے ساتھ
کس قسم کا رویہ اختیار کرے گی،

اور قمر الاسلام چوہدری انگریزی زبان کے اس مقولے میں یقین رکھتا تھا
کہ ہاتھ پر بیٹھی ہوئی ایک چڑیا جھاڑیوں میں چھپی ہوئی دو چڑیوں سے زیادہ
بہتر ہے۔

۶

دلہن رخصت ہو کر جا چکی تھی۔ منجھلی خالہ کونوں میں منہ چھپا کر رو تی پھر رہی تھیں۔ بڑے بھیا بار بار آنسو پینے کی کوشش کر رہے تھے۔ لوگوں کے اٹھنے کے بعد شامیانے کے نیچے صوفے اب ذرا بے ترتیبی سے پڑے تھے۔ چوبی مسند پر جہاں نکاح اور بعد میں آرسی مصحف ہوا تھا اب بچے کود رہے تھے۔ اور پھولوں کے ہار بکھرے پڑے تھے۔ میراثنیں گاتے گاتے تھک چکی تھیں۔ شہر کی "اونچی سوسائٹی" کے افراد میزبانوں کو خدا حافظ کر کے موٹروں میں سوار ہو رہے تھے۔ بلقیس رشتے داروں کے ہجوم میں اندر بیٹھی زور زور سے ہنس رہی تھی۔ سیاہ شیروانی اور چوڑی دار پائجامے میں ملبوس اس کا کزن نادر مہمانوں کو سگریٹ پیش کرتے کرتے اکتا کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی بھابی جان شامیانے کے ایک کونے میں اس کے دوستوں کے ہجوم میں کھڑی مسئلہ کشمیر پر دھواں

دھار تقریر کر رہی تھیں، یہ ہمارا بیڑا غرق کروائیں گی۔ نادر نے ذرا پریشانی سے سوچا اور پھر کافی منگوانے کے لیے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔

وہ اسی طرح کھڑی بحث میں الجھ رہی تھی جب ایک بے حد شاندار شخص ہاتھ میں کافی کی پیالی لیے اس کے قریب سے گذرا اور اسے دیکھ کر بڑی اداسی سے مسکرایا۔ گویا اس کی آنکھوں میں تیرتے بے پایاں الم کو سمجھتا ہو یا سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے بالوں کے انداز میں جمیل کی ہلکی سی جھلک تھی جس نے ایک لمحے کے لیے اسے بہت مضطرب کیا۔ کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا تھا کہ وہ کارچوبی مسند کے قریب کھڑا بلقیس سے بڑے اخلاق سے گفتگو کر رہا تھا۔ اور وہ بھی اسی اخلاق سے اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

ایک رشتہ دار لڑکی قہوے کی ٹرے لے کر اس کی طرف آئی "یہ کون صاحب ہیں؟" اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"ارے یہی تو عرفان بھائی ہیں ۔۔۔" لڑکی نے جواب دیا اور آگے چلی گئی۔

پھر نادر خشک میوے کی پلیٹ لے کر اس کے نزدیک آیا۔ اس نے ذرا جھجک کر پھر وہی سوال کیا ۔۔۔ "یہ کون صاحب ہیں؟"

"ارے! ۔۔۔ آپ ابھی ان سے نہیں ملی ہیں؟ ٹھہریے ابھی بلاتا ہوں ۔۔۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر اس شخص کے پاس پہنچا ۔۔۔ "عرفان بھائی ادھر آئیے آپ ہماری بھابی جان سے اب تک ملے ہی نہیں۔ واہ ۔۔۔" وہ اسے اپنے ساتھ لے کر پھر واپس آیا۔ "جناب عالی! یہ ہمارے جمیل بھیا کی دلہن ہیں۔ ڈاکٹر سیتا جمیل۔"

اس نے بڑی ادا سے حسبِ عادت آداب عرض کیا۔

"آداب" اس شخص نے جواب دیا۔ "آئیے یہاں بیٹھ جائیں۔ آپ اتنی دیر کھڑے کھڑے تھک تو نہیں گئیں؟ میں آدھ گھنٹے سے آپ کی تقریر سن رہا ہوں۔" وہ

تینوں دور ایک کونے میں رکھے ہوئے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے۔

"میں اپنے کیس کا نقطۂ نظر بتانے کی کوشش کر رہی تھی رمگر آپ لوگ دوسری پارٹی کا نقطۂ نظر سمجھنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ ہونہہ —— ذرا تو منطق استعمال کیجیے فوراً EMOTIONAL ہو جاتے ہیں آپ لوگ —— میں نے دیکھا کہ آپ کے یہاں بہت پڑھے لکھے لوگ بھی بہت بھولے بھولے سے ہیں۔"

"EVERY CASE IS EMOTIONAL, THE REST IS ARRUEMENT."

عرفان نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ ذرا تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔ اتنے میں اس کے ایک اور سسرالی رشتہ دار ناصر بھائی قریب آکر بیٹھ گئے۔ "بھابی جان کافی منگواؤں؟ نادر نے پوچھا "آپ کو کراچی کیسا لگا؟" عرفان نے پوچھا (کیسا شدید احمقانہ سوال محض سوشل گفتگو کی خاطر مجھے بھی کرنا پڑ رہا ہے۔ اس نے دل میں سوچا)

اب نادر، ناصر اور عرفان تینوں نے اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ عرفان نے اس سے پوچھا —— "آپ کیسی ڈاکٹر ہیں —— ؟ دواؤں والی یا دوسری —— ؟"

"جی نہیں صاحب۔ یہ دوائے دردِ دل بیچتی ہیں —— " ناصر نے دیور کے رشتے سے اس سے مذاق کیا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی۔ یہ لوگ اس کے لیے بچھے جا رہے تھے۔ رشتے کے دیور اور نندیں ہر وقت اسے چھیڑتے۔ تلسی پور کی میرا سنلیں جو اس خاندان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے کراچی آگئی تھیں۔ اور یہاں لالو کھیت میں رہتی تھیں۔ رات کو قیصر اور بلقیس کو سنا سنا کر اس سے مخاطب ہوتیں:-

ساس ہماری یوں کہہ گئی تھیں   بہو جی کو چنگی دے دینا ناری

میں البیلی بھول گئی تھی۔ میں نے جوگی کو نندی دے ڈالی۔ نادر اس کے لیے طرح طرح کے پروگرام بناتا، خصوصاً اس خیال سے کہ جمیل نے اس کو طلاق دیئے بغیر دوسری شادی کرلی۔ یہ لوگ اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔ "دلہن ہم تو تمہارے آگے بہت شرمندہ ہیں" منجھلی خالہ بار بار کہتیں۔

"نہ ہوئے صاحبزادے میرے سامنے ورنہ مارے جوتوں کے فرش کر دیتا۔ ان کو میرا غصہ معلوم ہے ——" بڑے بھیّا نے اس سے کہا تھا۔

منجھلی خالہ راہل کی تصویریں ہر آئے گئے کو دکھلاتیں —— "دیکھو کیسا بندا لیا ہے۔ بالکل ہمرے جمیل بھیّا ایسا ——"

"ہماری بھابی جان بے حد قابل ہیں ——" نادر نے بڑے فخر سے عرفان کو اطلاع دی۔ عرفان نے نظریں اٹھا کر سیتا کو دیکھا، وہ ذرا گھبرا سی گئی۔ اتنے میں بڑے بھیّا وہاں آئے۔ سیتا نے فوراً ساری کے پلو سے سر ڈھانپ لیا تینوں نوجوان تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بھائی دلہن" بڑے بھیّا نے اسے مخاطب کیا "بلقیس کہہ رہی ہیں کہ اگلے اتوار کو واپس جانا چاہتی ہیں تمہارا کیا ارادہ ہے ——"

اگلے اتوار کو —— وہ سہم سی گئی، اتنی جلدی —— اتنی جلدی وہ یہاں سے چلی جائے گی اور پھر شاید اس شخص کو کبھی، عمر بھر، دوبارہ نہ دیکھ سکے —— "ہم تو چاہتے تھے کہ ابھی کچھ دن تم یہاں رہو، یہ بھی تمہارا گھر ہے، مگر بیٹیا جلدی مچا رہی ہیں کہ ان کو جلد از جلد بمبئی پہنچنا ہے۔" بڑے بھیا کہہ رہے تھے۔

"بڑے بھیّا ہم نے سوچا تھا کار سے لاہور جائیں گے"۔ نادر نے کہا۔ "آئیے بھابی جان اندر چل کر بلقیس سے بات کرلیں"۔

وہ عرفان کو شب بخیر کہہ کر نادر کے ساتھ کوٹھی میں چلی گئی۔

اسی رات جب وہ جہیز کے کمرے میں چیزیں منگوانے میں دوسری لڑکیوں کی مدد کر رہی تھی۔ تو منجھلی خالہ نے اچانک اس سے پوچھا۔

"دلہن ——— تم عرفان کا دیکھ لیو؟"

"جی ہاں"

"ان کی ماں بلقیس بیٹا کے لیے دلی ان کا پیغام بھیجن ہیں۔ ہم بلقیس کا اسی لیے یہاں بلائے ہن کہ ای عرفان کا دیکھ لیں۔ مگر وہ ایسی الٹی عقل کی ہیں کہ دیکھو جوان کے جی پر بیٹھیں۔"

"اچھا؟" سیتا نے ایک سعادت مند بہو کی طرح خاندانی مسائل میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو خاصے معقول آدمی دکھے۔"

"معقول تو ہیں مگر بلقیس بھی تو سمجھیں۔"

"کیا کام کرتے ہیں؟"

"بہت اونچی نوکری کرتے ہیں۔ ڈیڑھ دو ہزار پاوت ہیں۔ لڑکین کا اور کا چاہیئے؟ ذات وات بھی اچھی ہے۔ منجھلی خالہ نے تخنوں کے ڈبے اوپر تلے چنتے ہوئے جواب دیا۔

"ہردوئی کے رہنے والے ہیں۔ ہردوئی جانت ہو؟

"جی نہیں ——— جی ہاں ———" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"بہری بلقیس کے دماغ کا کیڑا ایک یہو ہے کہ پاکستان نہ آئیں۔ اب تم جانو عرفان تو پاکستانی ہیں۔"

سیتا تکے ہوئے جوڑے اٹھا اٹھا کر مسہری پر رکھتی گئی۔

"کل تم نادر بھیا کے ساتھ جائی کے تنک اپنی کوٹھی تو دیکھ لیو ———" منجھلی خالہ نے کہا۔

کراچی آنے سے ایک روز قبل وہ بلقیس کو اپنے گھر قرول باغ لے گئی تھی بلقیس کو اس نے آج تک اپنے گھر مدعو نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں میں کسی کو اپنا صحیح

پتہ نہ بتاتی تھی۔ مگر جس روز وہ کراچی کے لیے اسباب باندھ رہی تھی۔ اس کی ماں نے اصرار کیا تھا کہ وہ کھانے پر بلقیس کو بلا لے۔" کیسی بری بات ہے کہ میں نے آج تک تمھاری نند کو نہیں دیکھا۔" سیتا کچھ مہینے سے ایک سرکاری محکمہ میں داخل ہو گئی تھی۔ اور دفتر سے اس نے بلقیس کو فون پر دعوت دی تھی۔ اس کے فوراً بعد بلقیس نے ہما کو فون کیا تھا کہ وہ شام کو سیتا کے گھر جا رہی ہے۔ اور اسے پک اپ کرلے گی۔ دوپہر کو وہ لنچ کے وقت کناٹ سرکس کے ایک ریسٹوران میں بلقیس سے ملی تو بلقیس نے اس سے کہا تھا ـــــ "میں پرانی دلی جا کر ہما کو لیتی ہوئی آٹھ بجے تک تمہارے یہاں آجاؤں گی ـــ"

"ہما کو لیتی ہوئی ـــــ؟"

"ہاں ـــــ ہاں ـــــ کیوں؟"

"تم نے ہما کو کیوں بلایا ـــــ؟"

بلقیس بھونچکی رہ گئی۔" ہما تمہاری اتنی پرانی دوست ہے، اس کو بلانے میں کیا حرج تھا؟ میرا تو خیال تھا کہ تم پہلے ہی اس سے کہہ چکی ہو گی ـــ"

مگر بلقیس ـــــ ہما اتنی شاندار کوٹھی میں رہتی ہے۔ میں اسے اپنے گھر کیسے بلاؤں۔ میرے ہاں تو بیٹھنے کو بھی جگہ نہیں ہے۔ تم میری رشتہ دار ہو، تمہاری دوسری بات ہے ـــــ"

سیتا ـــــ بلقیس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔" سیتا ـــــ! اور تم کلاس اور طبقاتی شعور کے متعلق اتنی تقریریں کرتی ہو ـــــ!!"

"وہ سب ٹھیک ہے۔" اس نے چڑ کر جواب دیا تھا۔

"BUT I HAPPEN TO HAVE A LOT OF PERSONAL PRIDE."

گڈ ہیونز ـــــ تو اب میں ہما کو کیسے منع کروں؟"

"اب کیسے منع کر سکتی ہوں ـــــ"

اس شام بلقیس ہما کو ساتھ لے کر سیتا کے بتائے ہوئے پتے پر قرول باغ کی ایک گلی میں پہنچی کھڑکی میں سے سیتا کی چھوٹی بہنیں جھانک رہی تھیں۔ سیتا کی ماں نے دروازہ کھولا۔ یہ کسی نچلے متوسط طبقے کے مسلمان کا چھوڑا ہوا تنگ و تاریک چھوٹا سا مکان تھا۔ ممی دونوں لڑکیوں کو وسطی کمرے میں لے گئیں اور دری پر بٹھا دیا۔ ایک طرف کو پلنگ بچھا تھا اور دیوار کے برابر ٹرنک چنے ہوئے تھے۔ الماری کے اوپر سری کرشن کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔ کچھ دیر بعد ممی نے الماری کے پیچھے سے فریم کیا ہوا کلمہ نکالا اور جھاڑ پونچھ کر اسے میز پر رکھ دیا۔" بلقیس یہ کلمہ اس کمرے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے اتار کر احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ کئی بار سیتا سے کہا کہ اسے تمہارے ہاں پہنچا دے کہ شاید کبھی غلطی سے یہاں کسی سے بے ادبی ہو جائے۔ اب تم لیتی جانا۔"

"جی اچھا"، بلقیس نے جواب دیا تھا۔

ممی نے تھالیاں اور کٹوریاں دری پر پروسیں۔ ہما اور بلقیس بڑے آرام سے ٹانگیں پھیلا کر دیوار کے سہارے بیٹھ گئیں اور ممی اور اس کی چھوٹی بہنوں لیلا، مدینی سے مزے مزے کی باتیں کرتی رہیں۔ سیتا دوسری دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ان سب کو دیکھتی رہی تھی۔ مقابل کی دیوار پر ہنومان جی کی تصویر ٹنگی تھی جو پہاڑ ہتھیلی پر اٹھائے اڑے چلے جا رہے تھے۔ میں نے بھی زندگی کا پہاڑ ہاتھ میں اٹھا کر آسمان پر اڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دل میں سوچا تھا

"بی بی ـــــ کراچی عامل کالونی میں ہماری اٹھارہ کمروں کی دو منزلہ کوٹھی تھی"، ممی گلاسوں میں پانی انڈیلتے ہوئے بلقیس سے مخاطب تھیں۔

سیتا نے بڑی کوفت سے ان کو دیکھا تھا۔ یہ قصہ ہر ایک کو سنا کر انہیں کس قسم کا اطمینان محسوس ہوتا ہے؟

"اس کوٹھی میں ڈاکٹر صاحب نے ــــ سیتا کے ڈیڈی نے ــــ چھ کمروں میں سنگِ مرمر کا فرش لگوایا تھا"

"ممی اب ختم کرو یہ رام کہانی ــــ" سیتا نے بیزار ہو کر کہا تھا۔

"نہیں بلقیس تم جا کر دیکھنا ضرور ــــ اس کی نیلے رنگ کے شیشوں کی کھڑکیاں ہیں" دولت رائے محل" اوپر لکھا ہوا دور ہی سے نظر آجاتا ہے۔ جمشید روڈ سے موتی لال نہرو روڈ پر جب مڑو ــــ"

"ممی ــــ بھئی ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں گے۔ ہم تم نے وہی برے لیے"

اسی وقت ڈیڈی اندر آگئے تھے۔

کیوں بھئی ــــ یہ تم کو دولت محل کے قصے سنا رہی ہیں؟ ان کی یہ عادت ذرا مشکل ہی سے چھٹے گی" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور وہیں دری پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر انہوں نے مہمان لڑکیوں سے کہا تھا۔

"بی بی تم دونوں اتنے برسوں بعد آج پہلی بار ہمارے غربت محل میں آئی ہو ــــ اسی کو دولت محل سمجھ کر پھر بھی آنا ــــ شاہ عبدالطیف نے کہا ہے ــــ"

"صبح کو ناشتے کے بعد نادر تم کو تمہاری کوٹھی دکھلائے گا ــــ" منجھلی خالہ نے نقرئی برتن منگواتے ہوئے دوبارہ کہا۔

"جی نہیں ــــ نہیں دیکھوں گی ــــ کیا ضرورت ہے ــــ" اس نے جواب دیا ــــ منجھلی خالہ چپ ہو گئیں۔

چاند پور ہاؤس میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ چاند پور ہاؤس اس کے جیٹھ کی اسکینڈ نیویین طرز کی دو منزلہ کوٹھی کا نام تھا جو انہوں نے ہاؤسنگ سوسائٹی میں بنوائی تھی۔

"یہ ظاہر کرنے کی جنے کیا ضرورت ہے کہ آپ لوگ ایک پھٹیچر سے سابق تعلقہ دار ہیں اور ایک پھٹیچر سا چاند پور نامی آپ کا تعلقہ موضع تلسی پور ضلع فیض آباد میں سنہ ۱۹۴۷ء تک موجود تھا۔ اور کچھ نہیں تو پاکستان آکر آپ رلیفیوجی لوگ پرانے ناموں

ہی سے چپکے ہوئے ہیں۔" بلقیس نے ایک روز صبح کو ناشتے کی میز پر حسب معمول اپنے پاکستانی عزیزوں سے جھگڑنا شروع کیا۔

"ہمارا چاند پور ہاؤس تھا کہ نہیں لکھنؤ میں جاپلنگ روڈ پر"۔ منجھلی خالہ نے رسان سے کہا۔ ان کی آواز میں سیتا کو اپنی ماں کی آواز کی جھلک سنائی دی۔ وہ کوفت سے دریچے کے باہر دیکھنے لگی۔

ڈرائیو پر اس کی سکار آ کر رکی۔ وہ اترا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا بلقیس بے نیازی سے توس پر مکھن لگانے میں مصروف رہی۔

—— اس ایک ہفتے کے دوران میں وہ روزانہ صبح شام چاند پور ہاؤس آتا اور گھنٹوں بیٹھا سب سے باتیں کرتا رہتا لیکن ہمیشہ اس موقعے کی تلاش میں رہتا کہ سیتا کے نزدیک بیٹھ سکے لیکن کسی پر یہ بھی ظاہر نہ ہونے پائے کہ وہ سیتا کی قربت کا خواہاں ہے منجھلی خالہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہیں کہ وہ بلقیس کی وجہ سے آرہا ہے، جب ایک آدمی اتنی خوشامد کرے گا تو لامحالہ لڑکی کو ہاں کرنا ہی پڑے گی —— انھوں نے فوراً بلقیس کی ماں کو جو اُن کی بڑی بہن تھی تلسی پور اس مضمون کا خط بھی لکھ بھیجا کہ ماشاءاللہ سے بیٹیا کی بات یہاں تقریباً پکی ہو گئی ہے۔

نوجوان پارٹی زیادہ وقت نادر کے کمرے کے سامنے والے برآمدے میں گذارتی۔ ایک روز وہ برآمدے میں بیٹھے سہ پہر کی چائے پی رہے تھے جب عرفان نے دفعتاً سیتا سے کہا —— آپ کو واپس جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟ ہم پاکستانی اتنے بُرے نہیں! کچھ دن تو اور ٹھہر جایئے۔

"میں تو دنیا کی کسی قوم کو بھی بُرا نہیں سمجھتی۔"

"واقعی بھابی جان! ایک مہینہ اور ٹھہر جایئے، ویزا آپ کا میں بڑھوا دوں گا فٹافٹ ——" نادر نے کہا۔

"کیسے ٹھہر جاؤں میرے پیچھے پولیس نہیں لگ جائے گی؟"

"خیر سیتا ـــــ اب تم اتنی اہم بھی نہیں کہ پولیس تمہاری فکر میں اپنی راتوں کی نیند حرام کرے؟" بلقیس نے ہنس کر کہا۔ "چند سال بعد اگر اسی رفتار سے ترقی کرتی رہیں، تو انٹرپول کے تمہارے پیچھے لگنے کے امکانات البتہ ہیں!"

اس نے اداسی سے ان تینوں کو دیکھا۔

فضول ـــــ فضول ـــــ دنیا کتنی فضول جگہ تھی۔

"آپ کا میڈن نام کیا تھا ـــــ" عرفان نے پوچھا۔ وہ پیرِ ڈکشن رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا جو نادر بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔

"میرچندانی ـــــ اس نے چونک کر جواب دیا۔

"ہمارے یہاں ہردوئی میں ایک سندھی انجینئر صاحب تبدیل ہو کر آئے تھے۔ میرے لڑکپن میں" عرفان نے کہنا شروع کیا: "ان کا نام میرچندانی تھا۔ تو ایک روز وہ ملنے آئے تو نوکر نے اندر آ کر کہا بیگم صاحب مچھر دانی صاحب آئے ہیں اس کے بعد وہ بہت دنوں تک انہیں مرچدانی کہتا رہا۔ یہ واقعہ مجھے اب تک یاد ہے ـــــ ہم نے اس زمانے میں سندھی دیکھے ہی نہیں تھے۔ گنج میں دو تین سندھیوں کی دوکانیں تھیں اور بس۔"

"ہاں" نادر چہک کر بولا۔ "بلقیس تم کو فروٹ مارٹ والا سندھی یاد ہے جب ہم نے اندرا والا ٹرنک بیچے اس سے پوچھا تھا کہ کیا ان کی شادی ہو گئی ہے اور کیا وہ لاقعی بہت زیادہ کریک ہیں تو اس نے جواب دیا تھا،

"YES MADAM, SHE IS MAD AND MARRIED BOTH,"

ہاہاہا ـــــ ہم لوگ اس کے اس برجستہ جواب پر کس قدر ہنسے تھے"

"ہاہاہا ـــــ" عرفان بھی ہنسا اور پھر رسالہ دیکھنے لگا۔ نادر پرانی یادوں

میں ڈوب گیا۔

فضول ــــ فضول ــــ وقت گذر رہا ہے

دفعتاً اس نے عرفان سے پوچھا "آپ کو معلوم ہے تھرڈ ڈگری کس طرح کی جاتی ہے۔؟"

"کیوں؟ آپ کو اس کا خیال کیسے آیا؟" عرفان نے پوچھا۔

"ایسے ہی خیالات میں ربط یا منطق کا ذکر کیا؟"

عرفان نے اسے غور سے دیکھا اور پھر بات ٹالنا چاہی۔ "آپنے وہ لطیفہ سنا ہے؟"

"کون سا؟"

"وہی کہ ایک مرتبہ نیویارک میں لفٹ ونگ ادیبوں کے ہفتہ وار جلسے میں آدھے سے زیادہ خفیہ پولیس کے لوگ ہوا کرتے تھے تو ایک روز ایک جلسے میں ایک ادیب نے اٹھ کر حاضرین کو اس طرح مخاطب کیا۔

"COMRADES AND GENTLEMEN OF THE F.B.I."

"ہا ہا ہا ــــ" نادر نے قہقہہ لگایا۔

پھر وہ چاروں بے حد کھوکھلی ہنسی ہنستے رہے۔

شام ہوتی تو سمجھ میں نہ آتا کہ اب کیا کیا جائے۔

"چلیے پکچر ز بھائی جان!" نادر اس سے کہتا۔

"روز پکچر ز ــــ! تم لوگوں کا اتنے انگریزی امریکن فلم دیکھتے دیکھتے جی نہیں اوبھ جاتا ــ؟"

عرفان سے بحث کرتے کرتے وہ جھنجھلا کر کہتی "کوئی پولیٹیکل انڈراسٹینڈنگ نہیں۔ کتابیں نہیں۔ اچھے فلم دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اخباروں میں لے دے کر وہی ایک مارننگ اسٹار۔ جو نوجوان مارننگ اسٹار پڑھ پڑھ کر اور اس کے کارٹون

دیکھ دیکھ کر ساری عمر گذار دیں ان کی سائیکولوجی کا کیا ہوگا —"

"بھابی جان آپ واقعی ہمارا بیڑا غرق کروا دیں گی خود تو چلی جائیں گی اور ہمارا ہو جائے گا کونڈہ شریف آپ ہر محفل میں اس طرح کی انٹ سنٹ باتیں اڑاتی رہتی ہیں —"

وہ نادر کے احتجاج کا کوئی نوٹس نہ لیتی اور اسی طرح بھائیں بھائیں کرتی رہتی۔

عرفان کی رخصت ختم ہو چکی تھی اور اسے لاہور واپس پہنچنا تھا۔ یہ طے ہوا کہ وہ سب دو موٹروں پر اکٹھے لاہور جائیں گے۔

اس روز شام کے وقت سیتا برآمدے میں اکیلی بیٹھی "لائف" رسالہ دیکھ رہی تھی جب وہ آگیا یہ پہلا موقعہ تھا جب ان دونوں کے پاس تیسرا کوئی نہیں تھا، پرسوں صبح چلنے کا انتظام ہو گیا ہے ڈاکٹر صاحب"، وہ ذرا فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے ڈاکٹر صاحب مت کہا کیجئے بہت برا لگتا ہے۔"

"اچھا پھر کیا کہیں؟ مسز جمیل بیگم صاحبہ — شریمتی جی —"

"آپ کو معلوم ہے میرا نام سیدھا سادھا سیتا ہے۔"

"بے حد پیارا نام ہے۔ اسی لئے لیتے ہوئے ذرا ڈر سا لگتا ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی، وہ بلقیس کے سگے خالہ زاد بھائی کی بیوی تھی، وہ گویا اس کا ہونے والا نندوئی تھا۔ اور اس لحاظ سے مذاق کے رشتے کا پہلو نکلتا تھا شاید اسی وجہ سے وہ اسے مستقل چھیڑتا رہتا تھا۔ شاید

"آپ کے رام چندر جی اپنا راج پاٹ سنبھالنے اجودھیا کب لوٹیں گے؟"

عرفان نے دریافت کیا، اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ جمیل نے دوسرا بیاہ کر لیا ہے یہ

خالص خاندانی معاملہ تھا اور عرفان بہر حال غیر آدمی تھا۔

" ابھی ان کی ٹرم دو سال کے لیے اور بڑھ گئی ہے، آپ نیو یارک گئے ہیں؟"

" جی ہاں "

" کب ؟"

" جب آپ وہاں نہیں تھیں "

" میں تو وہاں ۴۹ء سے ہوں "

" میں وہاں ۴۹ء میں پہلی بار گیا۔ تھا دراصل میرے اور آپ کے حلقے مختلف رہے ہوں گے۔ اب امریکہ واپس کب جا رہی ہیں؟"

" ابھی کچھ طے نہیں " میں نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا اور دعا مانگی کہ بلقیس یا کوئی اور وہاں آ جائے اور یہ موضوع ختم ہو۔

جس روز صبح وہ لوگ سفر پر روانہ ہونے والے تھے۔ اسی رات بلقیس کو فلو ہو گیا۔ اور جانا چند روز کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

اب بلقیس بیمار پڑ گئی تو سیتا ہی اکیلی نادر اور عرفان کے ساتھ باہر جاتی رہی اتنے عرصہ میں وہ نادر کے دوستوں کے حلقے میں بہت مقبول ہو گئی تھی۔ نادر کے دوست زیادہ تر انٹلکچوئیل قسم کے لوگ تھے۔ انہوں نے سیتا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ غریب یہ ان کو ایک زندہ جیتی جاگتی ہندو لڑکی نظر آئی تھی پہلی مرتبہ جب نادر نے اپنے چند انٹلکچوئیل دوستوں کو سیتا سے ملوانے کے لیے چاند پور ہاؤس مدعو کیا تو منجھلی خالہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے جھانک کر کہا تھا۔

" یہ نادر بھیّا کی پارٹی ہے یا شیو جی کی بارات ایک سے ایک ہونق آدمی چلا آ رہا ہے "

" یہ سب لوگ بھابی جان سے ملنے کے لیے بلائے گئے ہیں " ایک لڑکی

نے جواب دیا تھا۔

"تمہاری بھابی جان بھی تو خبطی ہیں ـــــ" منجھلی خالہ نے کہا تھا۔

اب عرفان بے تکلفی سے سیتا کا نام لیتا تھا اور اسے "تم" کہہ کر مخاطب کرنے لگا تھا۔ قیصر چلیے کے لیے آئی ہوئی تھی اور دو دن بعد اپنے شوہر کے ساتھ پشاور جانیوالی تھی۔

رات کو قیصر کے سسرال والوں کے اعزاز میں چاند پور ہاؤس میں بڑا بھاری ڈنر تھا۔ بلقیس اب ٹھیک ہو چکی تھی۔ اور نادر نے ان دونوں کے ساتھ شام کو ریکس میں ایک پکچر دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔

تیسرے پہر سیتا جلدی جلدی تیار ہو کر باہر جانے لگی تو بلقیس نے اسے آواز دی۔

"یس بلی ـــــ؟" سیتا نے دروازے میں ٹھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی باہر جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ تم ساڑھے پانچ بجے سیسل ہوٹل آ جانا۔ میں تم کو وہیں بار پر ملوں گی۔"

"بار پر ـــــ؟"

"ہاں۔ ہاں میں نے وہیں ڈِک سے اپوائنٹمنٹ کیا ہے۔ وہ کل اتفاقاً مجھے انفنٹس اسٹریٹ میں مل گیا۔ میرے ساتھ کولمبیا میں تھا۔ یہاں ورلڈ بینک کے سلسلے میں آیا ہوا ہے۔"

"کیوں ـــــ؟"

"سیتا ڈارلنگ ـــــ" بلقیس نے پلنگ پر سے اتر کر ہاف کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "تم ضرورت سے زیادہ EMANCIPATED ہو گئی ہو۔ یہ امریکہ یا انگلینڈ نہیں ہے۔"

"اوہ —— مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ اچھا تو پونے چھ تک عرفان کے گھر آجاؤ، میں ڈِک سے کہوں گی مجھے وہاں اتار دے۔ عرفان پیلس کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے ہیں، کچہری روڈ پر کل ہم لوگوں نے انہیں وہاں ڈراپ کیا تھا نا ——"

"عرفان کے گھر ——" بلقیس نے اور زیادہ پریشان ہو کر کہا، "ڈارلنگ وہ بیچلر آدمی ہے۔ اکیلا رہتا ہے، تم اس کے گھر کیسے جا سکتی ہو؟"

"او مائی گاڈ —— اچھا سوری بس تم کو زیادہ شوک نہیں کرنا چاہتی۔"

"ڈنر کے لیے ابھی سے مہمان آنا شروع ہو جائیں گے، تم کو واپس آ کر تیار بھی ہونا ہے، نادر سے کہو آج پکچرز گول کرے۔" بلقیس نے کہا

"اچھا،، اس نے فرمانبرداری سے جواب دیا۔

اپنے امریکن کلاس فیلو سے پیلس کی بار پر ملاقات کرنے کے بعد اس نے کاؤنٹر پہ جا کر عرفان کو فون کیا اب اسے جلد چاند پور ہاؤس واپس جانا چاہیئے تھا مگر اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ شام تنہا عرفان کے ساتھ ہی گذار دے۔

چند منٹ کے بعد عرفان آگیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست عثمان بھی تھا وہ تینوں جا کر لاؤنج میں بیٹھ گئے۔

سیتا نے سرخ رنگ کی کانجی ورم کی ساری پہن رکھی تھی، اور بہت اچھی لگ رہی تھی، ڈنر کا وقت آگیا مگر وہ بے پروائی سے بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ عرفان نے اس کے قریب کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے سراپا پر نظر ڈالی اور مسکرا کر پوچھا،

بیلہ ہے چاند گنج میں سورج گہن کا آج
تم کس لیے نہ غیرتِ شمس و قمر گئے؟

وہ ہنسنے لگی "سچ مچ آپ اُردو دانوں میں پھنس کر میرا تو بقول نادر کونڈہ شریف ہو گیا"!

"اور اردو والے بھی کون ــــ لکھنؤا ــــ اجودھیا اور آرہ ذرا سے کم تو بات ہی نہیں کرتے، عرفان کے دوست نے کہا، کچھ دیر بعد اس نے سیتا سے اجازت لی اور چلا گیا۔

اب رات کا اندھیرا چھا گیا تھا پیلیس ہوٹل کے اس حصے میں نسبتاً خاموشی تھی۔ لوگ لاگورمے کی طرف جا چکے تھے۔

"کافی پیئو گی؟" عرفان نے پوچھا، اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ غروب آفتاب کے بعد محض سیاہ قہوے پر اکتفا کرنا پسند نہیں کرتی وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"تم واقعی بہت خوبصورت ہو۔"

"تسلیم"

پھر اس نے سیتا کے بالوں پر نظر ڈالی

"تم مانگ میں سیندور نہیں لگاتیں؟"

"دراصل ــــ وہ ــــ میری سیندور کی ڈبیا ہی کہیں کھو گئی کراچی آتے میں ــــ منجھلی خالہ بھی کئی بار کہہ چکی ہیں کہ دلہن تم نے سیندور لگانا کیوں چھوڑ دیا، تمہاری سونی مانگ دیکھ کر ہول آتا ہے۔ ان کی خاطر میں نے سوچا کہ ضرور لگاؤں گی مگر یہاں مل جائے گا سیندور ــــ؟"

"معلوم نہیں ــــ" عرفان نے آہستہ سے جواب دیا "تلاش کروالو"

"آپ کہیں سے ڈھونڈ کر لا دیجئے ــــ" پھر وہ یکلخت چپ ہو گئی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ کیسی عجیب و غریب صورتِ حال تھی اس نے اس آدمی سے سیندور لانے کے لیے کیوں کہا جسے وہ جمیل کے نام پر لگائے گی۔

او مائی گاڈ ___ وہ دل میں کیا سوچتا ہوگا اس وقت اس نے طے کیا کہ اسے ساری بات بتا دے۔

"آپ کو معلوم نہیں ___" اس نے رُک رُک کر کہنا شروع کیا: "میں بیند ورکس کے لیے لگاؤں جمیل مجھے چھوڑ چکے ہیں" پھر وہ تیوری پر بل ڈال کر اور پلکیں جھپک جھپک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تاکہ آنسو نہ نکلیں۔

"مجھے معلوم ہے" عرفان نے دھیمی آواز میں جواب دیا "مجھے جب کسی نے نہیں بتایا تھا تب ہی معلوم ہو گیا تھا۔ میں پہلے روز جب تم سے شامیانے کے نیچے ملا تھا میں نے تمہاری آنکھوں میں پڑھ لیا تھا کہ تم کتنی دکھی ہو آؤ ___" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا "چاند پور ہاؤس چلیں تمہیں قیصر کی دعوت میں دیر سے نہیں پہنچنا چاہیے۔ تم اس گھرانے کی بہو ہو ___"

"اور آپ کو بھی دیر نہیں لگانا چاہیے۔ آپ اس گھرانے کے داماد بننے والے ہیں" سیتا نے آہستہ سے کہا۔ "کیا کروں ___ کیا ہو سکتا ہے۔

"بالکل نہیں ___ تمہیں معلوم ہے بلقیس کو میری ذرہ برابر پروا نہیں"

"اور آپ کو ___ آپ کو بھی اس کی پروا نہیں؟"

"قطعی نہیں ___ مگر تمہیں اس کا یقین کرنے کی کیا ضرورت ہے، چلو اٹھو دیر نہ کرو"۔

اس رات وہ چاند پور ہاؤس کے ڈنر سے جلد واپس چلا گیا گھر پہنچا تو دیر تک نیند نہیں آئی۔ سنسان کمرہ اسے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ آخر جھنجھلا کر اس نے عثمان کو فون کیا۔

"میں اعظم کی اسٹیگ پارٹی میں جا رہا ہوں۔ تم بھی جم خانہ آجاؤ" عثمان نے جواب دیا۔

"میں اب مزید کسی پارٹی میں نہیں جا سکتا۔"

"یار تم آ تو جاؤ۔ ایک کونے میں بیٹھ کر تمہاری سیتا ہی کی باتیں کریں گے۔ آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں۔"

"اچھا۔ میں پہنچتا ہوں۔"

وہ اپنے فلیٹ سے اتر کر ٹہلتا ہوا جم خانہ پہنچا۔ عثمان ابھی نہیں آیا تھا وہ برآمدے میں بہت دور جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

سیتا ——— سیتا ———

"سیتا جمیل بڑی زبردست فلرٹ معلوم ہوتی ہے ———" وہ چونک پڑا پام کے گملوں کے ادھر زور شور سے گفتگو ہو رہی تھی۔ شاید وہی اسٹیگ پارٹی جاری تھی۔ جس کے لیے عثمان نے اسے مدعو کیا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے سنا کیا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس کے دماغ پر ہتھوڑے چل رہے ہیں۔

"ایسی ویسی خالص کمایوں کی آدم خور معلوم ہوتی ہے۔"

"اور اوپر سے منتی پروگریسو ہے ———"

"مرغوں کے یہاں تو اخلاق کا تصور بہت بلند ہے۔"

"اچھا ——— !"

"روسی تو اس سلسلے میں اچھے خاصے وکٹورین ہیں ———"

"بکواس۔ ان میں سب چیزیں مشترک ہوتی ہیں ———"

"شاید آپ کو علم نہیں کہ روسیوں کو "پانی کے گلاس" کی تھیوری رد کیے بھی زمانہ ہو گیا۔"

"آپ کو ان خاتونِ محترم نے برین واش کر دیا ہے۔"

"اجی وہ بے چاری کیا برین واش کریں گی مگر آپ حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے، سچ ہے جہالت میں بڑی برکت ہے"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک انسان کی نجی زندگی کو اس کے سیاسی عقائد کی کسوٹی پر کیوں گھسا جائے۔

"افسوس کہ محض اس لڑکی سے مل کر جو آنٹی کنفیوزڈ ہے آپ ساری اشتمالی لڑکیوں پر حکم لگا رہے ہیں، بدقسمتی سے یہاں آئی بھی کون ——— سیتا جمیل۔ انڈیا سے یہاں صرف بی کلاس فلمیں منگوانے کی اجازت ہے اور سیتا جیسی HONEY لڑکیاں"

"خیر۔ گلاب کو دوسرے کے کھیت کی گھاس ہمیشہ زیادہ ہری نظر آتی ہے۔"

"بولتی بہت ہے۔ کل رحمان کے وہاں کھانے پر گھنٹہ بھر سب سے چومکھی لڑائی"

"سنا ہے ناچتی بہت ہے ——— کتھا کلی"

"بھئی عورتیں کتھا کلی نہیں ناچتیں ———"

"چلیے خیر میں کوئی بھانڈ تو ہوں نہیں جو مجھے ناچ کی اقسام معلوم ہوں۔"

"بہت اچھی لڑکی ہے بھئی بس ذرا پیتی زیادہ ہے بقول ملنخسے مچھلی کی طرح پیتی ہے"

"یہی تو اس کی ایک ادا ہمیں پسند آئی۔"

"واہ ——— جانِ عالم واجد علی شاہ آپ ہی تو ہیں ———"

"ہم نے سنا ہے کہ اس نے اپنے میاں کو چھوڑ دیا ہے۔"

"اچھا۔ تو موقع ہے۔ قسمت آزمائی جائے۔ اوہو ادھر عرفان صاحب چھپے بیٹھے ہیں ——— ارے بھئی عرفان! کیا خیال ہے تم روشنی ڈالو اس معاملے پر"

"عرفان صاحب سے بات کرنا بیکار ہے۔ ولی اللہ آدمی ہیں۔"

وہ خاموشی سے وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔

دوسری صبح سیتا اسے چاند پور ہاؤس کے پھاٹک ہی پر مل گئی۔

رات آپ کھانے کے بعد اتنی جلدی چلے گئے۔ یہاں خوب گانا وانا ہوتا رہا۔ اس نے کہا۔

"اچھا"

"میں نے آپ کو کافی رات گئے فون بھی کیا تھا، نوکر نے بتایا کہ آپ جم خانہ چلے گئے ہیں"

"اچھا۔"

"کیوں ــــ آپ کو کیا ہو رہا ہے؟ اس نے ذرا سہم کر پوچھا۔

"سیتا ــــ"

"جی ــــ"

"لوگ تمہارے لیے طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔ کیا دلی میں بھی لوگ اسی قسم کی باتیں تمہارے لیے کرتے ہیں؟"

"ضرور کرتے ہوں گے مجھے پتہ نہیں ــــ"

"پروا بھی نہیں ــــ؟"

"اونہہ ــــ" وہ یکلخت جھنجلا گئی۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں تک پہنچ چکے تھے۔

"اندر چلیئے۔ اسباب بند ہو چکا ہے۔ آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے"۔ اس نے سرد مہری سے جواب دیا۔

اندر باقاعدہ رونا پیٹنا مچا ہوا تھا۔ کراچی کی رشتہ دار بیبیاں شادی میں آئی ہوئی ہندوستانی رشتے دار بیبیوں سے گلے مل مل کر زار و قطار رونے میں مصروف تھیں، بلقیس سوں سوں کرتی پھر رہی تھی، مرد لوگ بھی ناک

سنک سنک کر آنسو پونچھ رہے تھے۔ منجھلی خالہ پٹ پٹ کر سب کی بلائیں لے رہی تھیں۔

عرفان نے گیلری کے دروازے میں کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھا اور اسے بے اختیار ہنسی آ گئی: "یہ سب لوگ کتنے گدھے ہیں۔" اس نے چپکے سے سیتا سے کہا۔

سارے ہندوستانی رشتہ دار ہوائی جہاز سے واپس جا رہے تھے، صرف بلقیس اور سیتا نادر اور عرفان کے ساتھ لاہور جانے والی تھیں۔ کراچی سے بھی دو تین کزن لاہور تک ہمراہ جا رہے تھے، ساری پارٹی باہر آ کر موٹروں میں لدی، سیتا، بلقیس کے ساتھ نادر کی کار میں بیٹھ گئی عرفان نے دوسرے عزیزوں کو اپنی شیو میں بھرا۔" امام ضامن کی ضامنی کے غل میں موٹریں تورنٹی سیکنڈ اسٹریٹ" کے ٹیڑھے میڑھے راستے سے نکل کر ڈرگ روڈ پر آ گئیں اور ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

۷

"نگو کھٹھ ــــــ" نادر نے شاہ جہاں کی مسجد کے سامنے کار روکتے ہوئے گویا اناؤنس کیا۔

جب وہ بھری دوپہر میں جامع مسجد کا چکر لگا کر بلتیوں کی گلی میں سے گذر رہے تھے اس وقت ان اجاڑ مکانوں میں جو سرکنڈے اور مٹی سے بنائے گئے تھے، ہوا یکلخت بہت تیزی سے سنسنانے لگی اور ایسا معلوم ہوا جیسے یہ جگہ دنیا کی ساری پریشان حال آوارہ غریب الوطن روحوں کا لرزہ خیز مسکن ہے۔ سیتا خاموشی سے پیچھے پیچھے بلقیس کے ہمراہ چلتی رہی کچھ دیر بعد عرفان اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"آپ کو معلوم ہے اس کا نام ٹھٹھہ کیوں ہے" اس نے دھوپ کا سیاہ چشمہ اتارتے ہوئے عرفان سے پوچھا۔

"نہیں ــــــ"

مغل گورنروں کے زمانے میں یہ شہر اتنا بارونق اور اتنا آباد تھا، کہ یہاں پورے ایشیاء سے آئے ہوئے لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے تھے، آپ کو تاریخ کی پرانی پرانی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے!"

"بالکل نہیں ـــــ"

"اوہ ـــــ"

جب وہ کاروں میں سوار ہونے لگے تو بلقیس نے اس سے چپکے سے کہا:
تم عرفان کی کار میں بیٹھ جاؤ میں ذرا نسیم باجی وغیرہ سے گپیں ہانکنا چاہتی ہوں لیکن میں ان کی کار میں جا کر بیٹھی تو عرفان اور میں دنوں تواہ مخواہ کی کوفت محسوس کریں گے، خصوصاً نسیم باجی وغیرہ کے سامنے ـــ میں ان سب کو نادر کی کار میں بلوائے لیتی ہوں۔"

چنانچہ ٹھٹھہ سے روانہ ہوتے وقت سیتا کو عرفان کی کار میں بیٹھنا پڑا تینوں رشتہ دار نادر اور بلقیس والی کار میں منتقل کر دیئے گئے۔

اب وہ لوگ صحرا میں سے گذر رہے تھے، سیتا نے عرفان سے پوچھا:
آپ نے اس روز مجھ سے سوال کیا تھا۔ کہ مجھے کراچی کیسا لگا۔ اب یہی سوال میں آپ سے کرتی ہوں میرا سندھ آپ کو کیسا لگتا ہے؟

وہ اس پر نظر ڈال کر چپ رہے۔

اب مجھے یہ سوچ سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے کہ ڈیڈی مجھ سے مارے سوالوں کے ناک میں دم کریں گے۔ تم نے فلاں جگہ دیکھی فلاں گاؤں سے گزریں، ممی نے اتنا کہا تھا کہ اپنی کوٹھی دیکھ کر آؤں کس حال میں ہے میں نے وہ بھی نہیں دیکھی۔"

"تمہارے ڈیڈی کراچی میں کیا کرتے تھے؟"

"ڈاکٹر تھے ــــ رام باغ میں ان کا کلینک تھا۔"

"رام باغ ــــ؟"

"رام باغ کراچی میں ہے آپ نے نہیں دیکھا ــــ؟"

"ارے ہاں۔ اسے اب آرام باغ کہتے ہیں ــــ"

سامنے اونٹوں کا قافلہ جا رہا تھا ایک بکری سڑک پار کرتے ہوئے کار کی زد میں آ گئی تو اس نے زور سے بریک لگائی۔ دھچکے کی وجہ سے سیتا تقریباً عرفان کے اوپر جا گری "سوری" سیتا نے گھبرا کر کہا۔

"قصور میرا تھا بکری کا نہیں ــــ اب ــــ اب تمہارے ڈیڈی دلی میں پریکٹس کرتے ہوں گے" عرفان نے بھی اپنی گھبراہٹ میں سلسلۂ گفتگو وہاں سے جوڑنا چاہا۔

"جی نہیں ــــ وہ کئی سال سے بیمار ہیں اس لیے کچھ نہیں کرتے میرا چھوٹا بھائی بھلائی کی اسٹیل مِل میں انجنیر ہو گیا ہے۔ اسی بے چارے کی وجہ سے گذر ہوتی ہے"

"اوہ ــــ"

"وہ سامنے دیکھیے ہم لوگ حیدر آباد جاتے ہوئے اکثر اس درخت کے نیچے کار روکتے تھے، یہیں پہ ایک بار میری ٹانگ میں بڑی چوٹ آ گئی تھی"

وہ چپ چاپ کار چلاتا رہا۔

"کیا آپ کو اس کا احساس نہیں کہ یہ میرا دیس ہے میرے کھیت، میرے گاؤں، میرے پیروں کے مزار ــــ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اس قدر سنٹی منٹل ہو ــــ" عرفان نے کہا

"جب کبھی آپ دلی آئے تو راستے میں جمنا کے پل پر سے گزرتے ہوئے میں

دیکھوں گی کہ آپ سنٹی منٹل ہوتے ہیں یا نہیں ___"

"میں یادوں کا روگ نہیں پالتا ___"

"اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے یہ بات بتا دی ___!"

"دوسری بات یہ کہ ___ میں دلی آنے ہی کیوں لگا ___"

"کیونکہ وہاں آپ کی سسرال ہونے والی ہے ___"

"لاحول ولا قوۃ۔ پھر تم نے میکے سسرال کا وظیفہ شروع کر دیا۔ عورتوں والی پھٹیچر باتیں۔

اس نے کار کی رفتار زیادہ تیز کر دی۔ وہ برابر نادر کی کار کے آگے آگے جا رہا تھا اور یہ خیال رکھتا تھا کہ اس کے پیچھے نہ ہونے پائے تاکہ وہ دونوں پچھلی والی موٹر میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں کے سامنے رہیں۔

کس قدر محتاط آدمی ہے واقعی سیتا نے سوچا۔

کچھ دیر خاموشی رہی، دھول اڑاتی ہوئی ایک ٹرک قریب سے نکل گئی، اب وہ ایک قدیم قبرستان کے برابر سے گذر رہے تھے۔

"سارا سندھ قبروں کا ملک ہے۔" عرفان نے چند لمحوں کے بعد اظہار خیال کیا۔

"آپ کو پتہ ہے یہ کتنا پرانا ملک ہے؟ وہ شاید اس کی معلومات میں اضافہ کرنے پر تلی بیٹھی تھی، واقعی بہت بکی لڑکی ہے، یہ کچھ دیر چپکی کیوں نہیں رہ سکتی؟ مگر شاید انسان اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے متواتر باتیں کئے جاتا ہے ___ بھرڈ ڈگری کا ایک طریقہ یہ بھی ہے ___ عرفان نے سوچا ___

"نہیں ___" اس نے باآواز بلند کیا۔ "میں تاریخ میں ہمیشہ بہت کمزور رہا

"ممی بتایا کرتی تھیں کہ پرانوں میں لکھا ہے کہ راجکمار سبی کی اولاد بلوچستان میں پھیلی اور ایودھیا کے رام چندر کے بھائی بھرت سندھو دیش کا راج

گدی پر بیٹھے، وہ بڑے یقین سے کہتی ہیں کہ مہابھارت کے بعد کالی یگ شروع ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس کے بعد پُرانوں میں سندھ کا ذکر نہیں ملتا"

"اچھا!! اور بتاؤ"

"مذاق مت اڑائیے"

"ارے ـــــ نہیں نہیں۔ بتاؤ بھئی میں بہت دلچسپی سے سن رہا ہوں"

"یونانی اس ملک کو انڈوسیتھیا کہتے تھے کیونکہ جنوبی سندھ کے لوگ آریہ نہیں بلکہ سیتھین تھے،

اچھا ـــــ!؟ مجھے ان دونوں نسلوں کا فرق نہیں معلوم بھئی میں بہت جاہل آدمی ہوں مگر تم بولے جاؤ تمہاری آواز سننا مجھے بہت اچھا لگتا ہے"

"گڈ گاڈ ـــــ"

اب وہ حیدر آباد کے قریب پہنچ رہے تھے، ویسٹ ایشیا سے آئے ہوئے سیتھین لوگ کاٹھیاواڑ اور راجستھان گئے۔ جو بعد میں اب راجپوت کہلاتے ہیں نا ـــــ"

اچھا ـــــ"

"پراچین زمانے میں میرکوپرخاص میں برہما کی بڑی سندر مورتی کا مندر تھا اور ملتان میں سوریہ کا مندر تھا۔ سیہوان میں پرانے آریوں نے شیو کے مندر بنائے تھے"

"تم کبھی مندر گئی ہو!"

"ہاں ـــــ بچپن میں بہت گئی ہوں، ٹنڈو آدم میں اَن گنت شوالے تھے اِسی لیے یہ سندھ کا کاشی کہلاتا ہے، ہیم کوٹ میں مہادیو کا مندر تھا۔ میں اپنی ماسی کے ساتھ ایک بار گئی تھی۔ اور کلفٹن پر جو مندر تھا وہاں میں شوراتری کے روز ممی کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ میری دادی کالی کی بہت پوجا کرتی تھیں۔ ہمارے

یہاں کالی کا ایک روپ تھرماتی کہلاتا تھا یعنی تھر ریگستان کی دیوی۔" پھر وہ چپ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے خود ہی بات شروع کی۔ "ممی بڑی رام بھگت ہیں۔ کراچی میں تھیں تو بڑی تمنا تھی کہ تیرتھ کے لیے ایودھیا جائیں۔ جب میں نے جمیل سے شادی کر لی تو ان کو بتایا کہ جمیل کا گاؤں تلسی پور جو دھیا سے صرف چار پانچ میل دور ہے کتنی عجیب بات ہے نا ــــ"

کوئی خاص عجیب بات تو نہیں۔ تم زندگی کے ہر معمولی سے معمولی واقعے کو بھی حد سے زیادہ ڈرامیٹک بنا دیتی ہو۔"

"او کے، او کے، آپ مجھے بالکل مورکھ سمجھتے ہیں۔ ہمارے یہاں سندھی میں ایک کہاوت ہے کہ عورت کی عقل اس کی ایڑی میں ہوتی ہے اور سورج ڈوبنے کے بعد وہاں سے بھی غائب ہو جاتی ہے آپ کا بھی شاید یہی خیال ہے! ــــ مگر میں تو سادھو بیلا بھی جاؤں گی ــــ"

"ضرور جانا بھئی، تم جذباتی سفر، پر نکلی ہو اب کیا کیا جا سکتا ہے ــــ"

"شٹ اپ۔"

"ہلو ــــ! ذرا میرا ادب کرو ــــ!"

"لائک ہل[1] ــــ!"

"ایک بات بتاؤ۔"

---

[1] LIKE HELL

"جی ــــ"

"تم ہندو لوگ پیپل کی شاخ کاٹنے پر اتنا بلوہ کیوں کرتے تھے؟ ہردوئی میں جب بھی تعزیہ پیپل میں اٹکا اور ہو ا سر پھٹول ــــ"

"پیپل میں مہادیو جو رہتے ہیں۔"

"اوہ ___ آئی سی"! وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا "پیپل کی بھی ہماری زندگیوں میں عجیب و غریب اہمیت تھی۔ اماں کہتی تھیں کہ پیپل میں چڑیلیں رہتی ہیں پیپل کے نیچے شہید مرد کے مزار ہوتے ہیں، ہردوئی میں میرے گھر کے سامنے پیپل کا جو درخت تھا اماں کبھی ہم بچوں کو دونوں وقت ملتے اس کے نیچے نہیں جانے دیتی تھیں کہ سایہ نہ ہو جائے۔ اور روز شہید مرد کے مزار پر چراغ جلواتی تھیں۔

اس کی آواز جذباتی ہو گئی۔

"اب سنٹی منٹل کون ہو رہا ہے" سیتا نے کہا۔

"شٹ اپ!!"

دور سے حیدر آباد کے بادگیر نظر آنے لگے۔

"اب سوں سوں کر کے رونا شروع کر دینا ___ لو رومال" عرفان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالا۔

وہ ہنس پڑی۔

سرکٹ ہاؤس کی سڑک پر کار موڑتے ہوئے اس نے سیتا سے کہا "تم

مجھے سندھ کا قصہ سنا رہی تھیں وہ تو پورا کرو سیتھین لوگ آئے، پھر کیا ہوا؟"

وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے بیٹھ گئی گویا یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ___ پھر یہاں بدھ مت خوب پھیلا، اور یہاں سرسوت برہمن رہتے تھے، اور راجپوت اور جاٹ اور شہر کے باسی مسلمانوں کے حملے کے وقت پنجاب بھاگ گئے۔ میری ممی لاہور کی اروڑہ ہیں۔ سندھی لوگ مسلمان ہوتے کے بعد بھی اپنے پرانے مذہب کی عزت کرتے رہے بے شمار درگاہیں بن گئیں۔ ان سب بزرگوں کا ایک ایک نام ہندو تھا اور ایک ایک محمڈن ___"

"اچھا واقعی ۔"

"وہاں راجہ بھرتری لال شہباز بنے، پیر ٹیو پیر سلطان، زندہ پیر خواجہ خضر اوڈیرو لال شیخ طاہر بن گئے۔ لالو جسراج منگھو پیر بنے ۔۔۔"

"جی ہاں۔"

"بھئی کمال ہے ۔۔۔"

"کبھی آپ میرے ڈیڈی سے ملئے تو وہ آپ کو یہ سب قصے سنائیں گے۔ ان کو سندھ کی ہسٹری بہت معلوم ہے۔ اب بھی اکثر بیٹھے چچ نامہ پڑھا کرتے ہیں۔"

"اور بتاؤ ۔۔۔"

"بس ۔۔۔ جیسے ہندوؤں کے یہاں ہر چیز کے لئے ایک نہ ایک دیوی دیوتا ایجاد کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے یہاں ہر چیز کے لیے الگ الگ پیر بن گئے۔ راگوں کے پیر مٹی کے برتنوں کے پیر، ہنگوڑے کے پیر سارا سندھ پیروں کا دیس بن گیا، سانپوں کے منتر جاننے والے جوگی سب مسلمان ہوتے تھے مگر شیو کے فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور گورکھ ناتھ کو مانتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ رمضان کا مہینہ ہندوؤں کے لیے پوتر بن گیا اور وہ تعزیوں کے سامنے نذر نیاز چڑھانے لگے، آپ کی طرف بھی یہی سب ہوتا تھا ۔۔۔؟"

"ہاں ۔۔۔"

"مذہب نے واقعی ہم لوگوں کے لیے پہلے سینکڑوں برس تک ۔۔۔"

اب تم اپنی تقریر مت شروع کرو مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے، سرکٹ ہاؤس پہنچتے ہی کھانے کا انتظام کرو میرے لیے ۔"

"آپ کو سمجھانا بالکل بیکار ہے۔ رئی ایکسٹری!"

"رات کو کھانے کے بعد نادر نے سیتا کو سگریٹ جلا کر دیا اور وہ اور بلقیس

اور دوسرے لوگ باتیں کرتے ہوئے ڈرائینگ روم میں چلے گئے۔ وہ میز پر بیٹھی گلدان میں سے ایک پھول نکال کر اس کی پنکھڑیاں الگ کرتی رہی عرفان سامنے کی کرسی پر نیم دراز اسے سگریٹ کے کش لگاتے دیکھ رہا تھا

مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم سگریٹ بھی پیتی ہو۔"

"اس 'بھی' کا کیا مطلب ؟"

"کچھ نہیں ــــ تم ــــ تم اس وقت ضرورت سے زیادہ اداس ہو۔ تم نے یہاں کا باغ دیکھا۔ کتنا خوبصورت ہے ــــ"

"جی ــــ"

آج چاندنی رات ہے اس لیے اور زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔

"جی ــــ"

ڈرائینگ روم میں سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

عرفان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کس طرح خوش کرے۔ نفسیات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر انسان کی الجھنیں دور کرنا ہوں تو اس سے اس کے بچپن کی باتیں کرو۔

"مجھے کچھ اپنے بچپن کے متعلق بتاؤ۔" اس نے بڑے ماہر فن کی طرح کہا۔

"آپ تو اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے ینگ کی روح آپ ہی میں حلول کر گئی ہے۔"

"ہاہاہا ــــ" وہ پھر اپنی کھوکھلی ہنسی ہنسا۔

"پھر آپ اپنے بچپن کے متعلق بتائیں گے ــــ معاف کیجئے یہ بھی بڑی پٹی پٹائی تکنیک اور گھسی گھسائی سچویشن ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ تم تو کوئی بات کرنے ہی نہیں دیتیں۔ تمہیں بیرسٹر ہونا

چاہیے تھا؛

جمیل نے بھی اسے اپنے بچپن کے متعلق بتایا تھا۔ اس نے بڑی جذباتی انداز میں کہا تھا۔ ہمارا گھر گھا گھرا سے ذرا دور ہے، میری اماں کھانا بہت عمدہ پکاتی ہیں میری چھوٹی بہن کا نام قیصر ہے۔ بڑی سخت چڑیل ہے۔ اب وہ بڑے بھیا کے ساتھ پاکستان چلی گئی ہے میں اسے بہت مارتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اسے جاکر کوٹھے پر بند کر دیا اور نیچے سے کنڈی چڑھا دی۔ پھر میری توب ٹھکائی ہوئی میری دو خالائیں ہیں۔ فرخندہ باجی چھوٹی خالہ ہی کی لڑکی تو ہیں۔ فرخندہ بجیا بہت دلیش بھگت اور بڑی گریٹ آدمی ہیں۔ بالکل دیوی ہیں ایک دم تم ان سے دلّی میں کبھی ملنے نہیں گئیں؛ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ان کی ایسی بن جاؤ ان کی چھوٹی بہن کا نام بلقیس ہے میں اور بلقیس تلسی پور میں بڑے آبا کی بگیا میں جاکر خوب امرود چراتے تھے اور جب قیصر کی بچی جاکر چغلی کھاتی تو ‘‘

فضول ــــ فضول ــــ وقت گذر رہا ہے

مگر دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اس کے تلخ لہجے نے عرفان کو رنجیدہ کر دیا ہے۔ اس نے واقعی عرفان کے خلوص کا جواب بدتمیزی سے دیا تھا۔ اور وہ اسے ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ (وہ تو جمیل کو بھی ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر یہ کیا ہوا ــــ؟)

’’میں ــــ میں ابھی حیدر آباد میں پیدا ہوئی تھی‘‘ اس نے ذرا احساس جرم کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ اور پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا کہ وہ سن رہا ہے یا نہیں ہم چار بہن بھائی تھے ــــ ہم چار ــــ‘‘ پھر اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

’’دراصل ــــ‘‘ عرفان نے اس سے کہا میں تقسیم سے پہلے کبھی سندھ نہیں آیا۔ اسی لیے اس طرح کرید کرید تم سے سوالات کر رہا ہوں مجھے کچھ معلوم

نہیں کہ متحدہ ہندوستان میں لاہور اور پشاور اور کراچی اور حیدر آباد سندھ جیسی جگہیں تھیں۔ اور ان کے باشندے ——"

"ان جگہوں میں سے ایک کی باشندی تو میں خود ہی آپ کے سامنے موجود ہوں۔"

باشندی، پر وہ بے اختیار ہنس پڑا اور بڑے پیار سے سیتا کو دیکھنے لگا۔" واللہ خوب شے ہیں آپ بھی ——" پھر اس نے کہا۔" دراصل سیتا —— تم مجھے بعید غیر جذباتی سمجھتی ہو مگر جلا وطنی کا مسئلہ مجھے بھی بہت پریشان کرتا ہے۔ مغربی برلین میں، ہانگ کانگ میں ہر جگہ میں نے پناہ گزینوں کو دیکھا ہے۔ امریکن شہروں میں مشرقی یورپ سے بھاگے ہوئے لوگوں سے ملا ہوں۔ جورڈن میں فلسطین کے مہاجروں کی حالت دیکھی ہے —— اور میں جو بات بات پر تم سے الجھتا ہوں اور تمہاری ہر بات مذاق میں ٹالنا چاہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسے دور میں زندہ ہیں جس میں چالیس کروڑ انسانوں کی نفسیات یکسر بدل گئی ہے۔ ان کے خیالات، نظریے، جذبات، ردِ عمل، میرے اور تمہارے درمیان اب کوئی قدر مشترک باقی نہیں مجھے کچھ معلوم نہیں کہ تم لوگ کیا سوچتے ہو، کیا کرتے ہو۔ جب بلقیس اپنی تعمیری مصروفیات کا ذکر کرتی ہے، مجھے لگتا ہے۔ کسی دوسرے کرے کی باتیں سن رہا ہوں۔ چھوڑو۔ ہم نے پھر سیاست شروع کر دی جس سے مجھے نفرت ہے ——"

"آپ میرے بچپن کے متعلق پوچھ رہے تھے۔" سیتا نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں —— ہاں ——"

"ہم چار بہن بھائی تھے ——" اس نے فرمانبرداری سے بھر بچوں کی طرح گویا سبق سنانا شروع کر دیا۔" پہلے ہم یہیں حیدر آباد میں رہتے تھے۔ حیدر آباد میں ہمارا مکان تھا جو ہمارے دادا نے بنوایا تھا۔ پھر ڈیڈی نے کراچی میں پریکٹس شروع کر دی۔

اور وہاں کوٹھی بھی بنوالی۔ میں گریمر اسکول اور اس کے بعد سینٹ جوزفز کالج میں پڑھتی رہی۔ ہمارا بہت بڑا خاندان تھا۔ رشتے کے چاچے اور ماسے اور ماسیاں۔ ان میں سے کچھ عامل کولونی میں رہتے تھے۔ اور کچھ لاڑکانہ اور حیدر آباد میں۔ میرا بھائی مرلی ایک ہے۔ اور دو بہنیں ہیں۔ یہ تینوں ۱۹۴۷ء میں کافی چھوٹے چھوٹے سے تھے۔"

پھر اس کی آواز اداس ہوتی چلی گئی ــــ "اسی سال ہم لوگ جہاز پر بیٹھ کر کاٹھیاواڑ کے ایک پورٹ پر جا اترے اگست کے بعد اگلے تین مہینوں میں لاکھوں شرنارتھی ہوائی جہاز، ریل اور سمندر کے ذریعے یہاں سے گیا تھا ــــ"

"اس زمانے میں ٹرین چلتی تھی ــــ؟"

"جی ہاں۔ اسپشیل ریفیوجی ٹرین چلائی گئی تھی، جو میرپور خاص سے مارواڑ جنکشن تک جاتی تھی، وہاں ٹرانزٹ کیمپ قائم کر دیئے گئے تھے، جو لوگ یہاں سے گئے وہ زیادہ تر شہری پیشہ ور تھے، زمینوں پر بسانا انہیں بہت مشکل تھا۔ یہ سب کے سب بمبئی پریذیڈنسی مدھیہ پردیش اور راجستھان کے ریفیوجی کیمپوں میں بھیج دیئے گئے۔ میرے رشتہ دار بھی احمد آباد، جودھ پور، وندھیا پردیش جانے کہاں کہاں بکھر گئے، بہت سے سندھی شرنارتھی بھوپال بھیج دیئے گئے ــــ"

"تم لوگ کہاں رہے؟"

"ہم پہلے گاندھی دھام میں رہے پھر الہاس نگر میں یہ سندھیوں کے لیے نئے سٹلمنٹ بسائے گئے تھے۔ گاندھی دھام ہی میں ڈیڈی بہت سخت بیمار پڑ گئے سارے سندھی شرنارتھیوں کی طرح ان کو بھی دو سال تک مالی امداد دی جاتی رہی۔ ۱۹۵۰ء کے شروع میں یہ امداد بند ہو گئی۔ کچھ کیمپوں میں بیماروں اور بوڑھوں کو رکھا گیا تھا۔ ڈیڈی بھی چند روز کے لیے وہاں بھیج دیئے گئے۔ اس کے بعد ہم سب دلی آ گئے۔ اس وقت تک سب شرنارتھی کاروبار کی تلاش میں سارے ہندوستان میں پھیل چکے تھے۔ اسی

نے ایک لمبا سانس لیا۔

ڈرائنگ روم میں اب رمی شروع ہو گئی تھی۔ عرفان نے سگریٹ جلایا۔ لیکن اسے پیش نہیں کیا

اب ہم وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دیس اپنا نہیں۔ پنجابیوں کو کم از کم مشرقی پنجاب تو مل گیا۔"

"تمہارے ڈیڈی اب کچھ نہیں کرتے ــــ؟

"نہیں۔ میں نے بتایا تو۔ وہ مستقل بیمار رہتے ہیں۔ ہم عامل لوگ زیادہ تر ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر اسی طرح کے لوگ تھے جیسے آپ کے وہاں کائستھ ہوتے ہیں نا یو۔پی میں۔ اسی طرح کی یہ کاسٹ تھی۔ کلہوڑہ اور تالپور امیروں کی حکومت میں یہی لوگ سارا ایڈمنسٹریشن کرتے تھے۔ اس لیے عامل کہلانے لگے

"تم لوگ کیا ہو ــــ برامن ــــ؟"

"نہیں بھئی ــــ عامل کھتری ہوتے ہیں مگر اس ہجرت کی وجہ سے سارے طبقے الٹ پلٹ ہو گئے۔ عاملوں اور برہمنوں کو بھی وہاں فٹ پاتھ پر دوکانیں کھولنا پڑیں۔ پرانی ریت رسمیں، پیر فقیر، درگاہیں، مندر سب یہیں رہ گئے۔ یہاں کا اصل مذہب صوفی ازم تھا اس صوفی ازم کے اثر سے ہم لوگ کٹر قسم کے مذہب پرست کبھی نہیں رہے۔"

چند منٹ تک وہ میز کی چادر پر کانٹے سے لکیریں کھینچتی رہی ــــ

"تم سندھی پڑھ لیتی ہو؟

"ارے بالکل۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں اتنی میم صاحب ہوں کہ اپنی زبان نہیں جانتی؟ آپ نے تو یہاں سندھی ضرور سیکھ لی ہوگی۔"

"نہیں ــــ" عرفان نے ذرا جھجک کر جواب دیا پھر پوچھا ــــ "تمہارا

مضمون ڈاکٹریٹ کے لیے کیا تھا؟"

"یہی ۔۔۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کا سماجی انقلاب ۔۔۔ آپ کے یہاں بھی اس سبجکٹ پر بہت کام ہو رہا ہوگا۔ مجھے کچھ کتابوں کے نام بتائیے گا، میرا موضوع "پنجاب کے شرنارتھی" تھا۔

"اب ساڑھے بارہ بج رہا ہے سیتا جاکر سو رہو۔"

"بہت اچھا" وہ اسی فرمانبرداری سے اٹھی اور اسے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

صبح کو ناشتے کے بعد وہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ اتنے میں سرکٹ ہاؤس کا مالی پھولوں کی ڈالی لے کر آیا۔ عرفان اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ "بیگم صاحب کے لیے پھول لایا ہوں صاحب" مالی نے کہا۔

"اچھا دے دو بیگم صاحب کو ۔۔۔" عرفان نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔

موٹروں میں سوار ہوتے وقت عرفان نے اس سے کہا ۔۔۔ "کل تم نے بے حد میرا دماغ چاٹا ہے۔ آج میں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے تم نادر کے ساتھ جاؤ۔"

جس وقت وہ لوگ خیرپور میں سے گذر رہے تھے۔ سیتا نے دفعتاً کہا ۔۔۔ "میں پیر اللہ بخش جمالی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

سب نے اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

اس نے بیگ سے نوٹ بک نکال کر اتہ پتہ بتایا۔ "ڈیڈی کے دوست تھے۔ ڈیڈی نے کہا تھا اور کسی سے نہیں تو کم از کم ان سے ضرور مل لینا ۔۔۔"

بہت دیر تک وہ پیر اللہ بخش جمالی کی کوٹھی ڈھونڈتے رہے۔

"چلو سرکٹ ہاؤس پہنچ کر وہاں سے معلوم کرلیں گے۔" بلقیس نے تجویز کیا۔ اسٹیٹ

گیسٹ ہاؤس جاتے ہوئے انہیں پیر صاحب کی کوٹھی نظر آگئی۔

شام کی چائے کے بعد دفعتاً اندھیرا ہو گیا۔ "میں بھول گیا تھا کہ جاڑوں کے زمانے میں سورج جلدی ڈوب جاتا ہے" نادر نے کہا "چلیئے اب آپ کو آپ کے پیر صاحب کے ہاں چھوڑ آئیں۔ عرفان بھائی آپ بھابی جان کو لے جایئے۔ ہم سب کی پوری بارات کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اب تم پھر میرے سر پر سوار ہو گئیں" عرفان نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہا "میرا خیال ہے کہ اب چھٹکارا مل گیا۔

پیر صاحب کی کوٹھی کی برساتی میں پہنچ کر اس نے سیتا سے کہا "تم اندر ہو آؤ۔ میں گھنٹے بھر بعد آکر لے جاؤں گا۔"

"واہ آپ کیوں نہیں ساتھ چلتے؟"

"مجھے سندھیوں سے ملتے ہوئے ذرا گھبراہٹ ہوتی ہے" عرفان نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی ——!"

بھئی تم ہی تبلاؤ وہ ہوں گے پرانی قسم کے اصلی تے وڈے وڈیرے —— نہ میں ان کی سمجھوں گا نہ وہ میری۔ اور یہ تو بڑے غضب کی بات ہو گی کہ باہر سے آکر تمہیں ان کے جذبات کی ترجمانی کرنا پڑے۔

سیتا کار میں بیٹھے بیٹھے باغ کے گھنے درختوں کو دیکھتی رہی "میں بچپن میں ڈیڈی کے ساتھ یہاں آیا کرتی تھی۔ ڈیڈی پیر صاحب کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ ہمارے دادا حیدر آباد کے مشہور وکیل تھے، ہربخش میر چندانی کا نام آپ نے شاید اب بھی سنا ہو۔

اس نے یہ نام کبھی نہیں سنا تھا لہذا سگریٹ جلا کر خاموش رہا۔

"دادا جی پیر صاحب کے قانونی مشیر تھے، دوسرے وڈیروں کی طرح پیر صاحب

بھی مستقل مقدمے لڑا کرتے تھے، عرفان نے ہارن بجایا، مگر چاروں طرف سناٹا تھا۔ سیتا نے پھر بات شروع کی "آپ کو معلوم ہے"

"نہیں معلوم ـــــ" عرفان نے تبسم کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

"آپ کو معلوم ہے انگریزوں کے زمانے میں ہندوؤں نے خوب ترقی کر لی اور ہندو مہاجنوں کے پاس مسلمان تقریباً گروی ہو گئے، سندھی مسلمانوں کی کوئی مڈل کلاس نہیں بنی اور یہ وڈیرے لوگ اسی طرح اپنی فیوڈل ازم میں قلعہ بند بیٹھے رہے"

"ہر جگہ یہی ہوا" عرفان نے جواب دیا۔

"بچپن میں میں پیر صاحب کی بیویوں کے زیور اور لباس دیکھ دیکھ کر مسحور ہوا کرتی تھی، یہ لوگ کس قدر بیک ورڈ اور کتنے دولت مند ہیں اس کا آپ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا"

ایک چھیل سندھی ملازم بٹے گھیر کی سیاہ شلوار میں ملبوس اندر سے نکلا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نوواردوں کو سلام کیا اور ڈرائنگ روم میں لے گیا، سیتا فوراً اندر زنانخانے میں چلی گئی، عرفان ایک صوفے پر بیٹھ گیا، کمرہ بیش قیمت فرنیچر سے اٹا ٹوٹ بھرا ہوا تھا، فرش پر اعلیٰ ترین قالین بچھے تھے۔ دبیز ریشم کے پردوں پر سنہری ڈوریاں بندھی تھیں کچھ دیر بعد گھنی داڑھی اور غلافی آنکھوں والے پیر الٰہی بخش جیالی اندر سے تشریف لائے، جھک کر دونوں ہاتھوں سے عرفان سے مصافحہ کیا اور خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے اتنے میں ٹھوس چاندی کے ٹی سیٹ میں چائے آ گئی اور انہوں نے اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد ملکی سیاست کی بوالعجبیوں پر گفتگو شروع کی۔ یہ سر فیروز خاں نون کی وزارت کا زمانہ تھا اور ملک میں شدید افراتفری مچی ہوئی تھی۔

پھر وہ اُٹھ کر اندر گئے اور سیتا کو ساتھ لے کر واپس لوٹے اور بڑے ریشمی رومال سے آنسو پونچھ پونچھ کر سیتا کے سر پر ہاتھ پھیرا کئے۔ سیتا پیر صاحب سے سندھی میں باتیں کر رہی تھی۔

چھبیل ملازم نے بڑا سا اٹیچی کیس کار میں رکھا۔

کار اسٹارٹ کرنے کے بعد عرفان نے مذاقاً پوچھا "بہت زبردست تحفے مار لائیں۔"

میں نے دیکھے نہیں انہوں نے ڈیڈی ممی اور میرے لیے الگ الگ جانے کیا کیا چیزیں دی ہیں۔ بہت قیمتی سامان ہی ہوگا یہ لوگ بے حد جذباتی اور بے حد دیا ہیں۔"

"تم جذبات کی اتنی قدر کرتی ہو اور اوپر سے بنتی اتنی منطقی ہو — فراڈ —!!!"

دوسرے دوران لوگ کا قافلہ خیر پور شہر میں سے گذر رہا تھا سڑک کے دونوں جانب پرانی اینٹوں کی اداس عمارتیں تھیں جن کی محرابوں کے نیچے بوڑھے باوقار سندھی کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ لوگ بات بات پر ہاتھ جوڑتے تھے اور دھیمی دھیمی آواز اور سوتے سوتے موسیقی بین لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ بڑی عجیب اداس، ترم دھیمی دھیمی تہذیب تھی جو عرفان نے اس ملک میں نو سال تک رہ چکنے کے باوجود اب تک نہیں دیکھی تھی۔

کمال ہے" عدالت کے سامنے گیر بدلتے ہوئے اس نے سیتا سے کہا "واقعی عجیب سی بات ہے کہ میں اس ملک کا باشندہ ہوں اور تم غیر ملکی۔"

"لیکن مجھے اب اس صورت حال کی عادت پڑ چکی ہے پچھلی مرتبہ جب میں نیو یارک سے جمیل کے ساتھ ہندوستان آئی تھی تو منجھلی خالہ اپنے بھانجے سے

ملنے کے لیے کراچی سے فیض آباد آ گئی تھیں اور انھوں نے مجھے سارے لکھنؤ کی سیر کرائی تھی اور تلسی پور اور چاند پور کی پرانی ریت رسموں سے روشناس کرایا تھا۔ مگر فیض آباد سے لکھنؤ پہنچتے ہی ایک غیر ملکی کی حیثیت سے ان کو پولیس اسٹیشن میں اپنی آمد اور اس کے بعد روانگی کی اطلاع درج کروانا پڑی تھی۔

سندھ کے شہروں میں ہر طرف اُداسی اور بے رنگی اور رنیت اور دمعول تھی۔ انگریزی عہد کی یادگار ضلعوں کی عمارتیں سول لائنز کی گرد آلود سڑکوں کے کنارے خاموش کھڑی تھیں۔ انگریز سارے برصغیر میں پشاور سے لے کر مدراس تک اور بہار سے لے کر سندھ تک، اضلاع کے طرز تعمیر اور ماحول اور مسائل کا یکساں پیٹرن بنا کر جا چکے تھے۔ وہی کچہریاں، وہی باغات، وہی ڈاک بنگلے، وہی ریلوے اسٹیشنوں کے کول تار سے لپے اونچی ڈاٹ والے فولڈنگ روم اور ان کا یکساں بھدا فرنیچر۔

سکھر کا یہ سرکٹ ہاؤس جس وہ سب ابھی آن کر اترے تھے، بلند شہر یا بلا سپور یا گیا، کسی جگہ بھی اٹھا کر رکھا جا سکتا تھا۔ وہی خانساماں تھا جس نے لپکتے ہوئے سامنے آ کر بڑے صاحب کو سلام کرنے کے بعد پوچھا تھا کہ چھوٹا حاضری کس وقت کھائیں گے، اس کا نام یار سول بخش تھا یا کریم بخش، مالی کا نام چراغ دین تھا یا رام کھلاون، مگر دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ انسان بدل گئے تھے، کیا واقعی انسان بدل گئے تھے۔ اس کا جواب دیانت سے دینے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

"میں سادھ بیلا جاؤں گی۔ ہیں وہاں ہمیشہ سالانہ میلے میں جاتی تھی۔ خوب میوزک کمپی ٹیشن ہوتے تھے۔" سیتا نے دہرایا۔

شام کے وقت لانچ میں بیٹھ کر وہ دریا عبور کرنے لگے۔ دور سادھ بیلا کا ٹاپو بڑے سے جہاز کی طرح لہروں کی وسط میں کھڑا تھا۔ کنارے پہنچ کر

وہ سیڑھیاں چڑھنے کنارے پر بارہ دری تھی جس کی دیواروں پر کبیر کی بانیاں منقش تھیں، ٹیلوں پر عمارتیں سنسان پڑی بھائیں بھائیں کر رہی تھیں۔ اَن گنت چھوٹے بڑے مندر اور شوالے۔ لڑکوں کا ہوسٹل، کلب ہاؤس۔ سیتا عرفان کو ساتھ لیے چاروں طرف گھومتی پھری۔ ٹولی کے دوسرے لوگ تھک کر نیچے ایک بنچ پر بیٹھ چکے تھے۔

" مجھے بھابی جان پر بڑا ترس آتا ہے، سیتا کو ٹیلے پر ایک اندھیرے مندر کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر نادر نے آہستہ سے کہا۔

مندروں کی دیواروں پر عجیب عجیب خوفناک اور مضحکہ خیز شکلوں والی مورتیوں کے نیچے پنسل سے اردو میں طرح طرح کے جملے لکھے ہوئے تھے۔

دیوی ماں، میں ہندوستان جا رہا ہوں، مجھ پر اپنی دیا رکھنا۔ ہری کیول رمانی بھگوان میں آج تمہارا اشرن چھوڑ کر انڈیا بھاگ رہا ہوں مجھے معاف کرو

منگھا لال گوردھن داس، ۲۵ ستمبر ۴۷ء

ماتا میں تم کو چھوڑ رہا ہوں اب کبھی پرشاد نہ چڑھا سکوں گا میرے بچوں پر دیا کرتی رہنا۔

رام سچدیو خوب چند۔ ۱۹، دسمبر ۴۷ء

سیتا اور عرفان ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان دردناک جملوں کو پڑھتے پھرے یہاں تک سورج مہران کی لہروں میں ڈوب گیا۔

دوسرے ٹیلے پر برگد کے نیچے ایک اور تاریک مندر تھا۔ اندر گھپ اندھیرے میں ریشمیں کپڑوں میں ملبوس رادھا کی قد آدم مورتی اوندھی پڑی تھی۔ عرفان کو بڑی وحشت ہوئی " اب باہر چلو —— " اس نے جلدی سے کہا۔

نیچے اتر کر کلب ہاؤس کی مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے سیتا نے یکلخت کہا

سے پوچھا ــــ یہ جگہ بھوتوں کا شہر نہیں ہے ؟ ــــ میری دادی مجھ سے رات کو کہا کرتی تھیں۔ آج میں نے تیرے لیے بڑا اچھا سپنا دیکھا۔ کسی موچی کی بدروح پچھواڑے سے گذری ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ بعض بدروحیں بچوں کی شکل میں نکلتی ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چار چار انگلیاں ہوتی ہیں۔ اور بدروحیں ہوا میں چراغوں کی طرح بھی اڑتی ہیں ــــ ادھر دیکھیے کہیں ہوا میں چراغ جل رہے ہیں؟ سادھ بیلا میری ساری قوم کا قبرستان ہے۔"

وہ اٹھ کر دوسری سیڑھی پر جا بیٹھی" کیسا اندھیرا ہے اس اندھیرے میں میری ساری آرزوئیں، سارے آدرش، سارے پچھتاوے اگیا بھتال کی طرح جگمگاتے ہیں ــــ ابھی میں نے آنکھیں بند کیں تو مجھے ایسا لگا جیسے بھیڑو کی سواری کا کتا، لکڑ بگے پر سوار ہو کر قبرستان کی طرف جانے والی چڑیلیں، ہزاروں برس کی مری ہوئی روحیں۔ ان سب نے مل کر مجھے چاروں اور سے گھیر لیا ہے اور میں بہت جلد مر جاؤں گی۔" اس نے سہم کر عرفان کا ہاتھ تھام لیا

ہمارے یہاں ایک بڑی ڈراونی رسم تھی۔" اس نے چند لمحوں کے بعد پھر کہنا شروع کیا کہ" اگر کوئی آدمی کنوارا مر جائے تو اسے سرخ کپڑے میں لپیٹ کر شمشان لے جاتے تھے۔ اور زور زور سے ڈھول بجایا جاتا تھا، گویا موت کے ساتھ ساتھ اس کا بیاہ بھی ہو گیا،

یہ سامنے جو سندھ بہہ رہا ہے ہمارے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس کے پچھم میں جہاں چاند ڈوبتا ہے موت کا دیس ہے۔ اور ہر سندھی جو مرتا ہے اس گئو ماتا پر جو اس نے زندگی میں برہمنوں کو دان کی ــــ اس کی دم سے چمٹا ہوا اس دریا پر سے گذر جائے گا، بھادوں کی پورن ماشی میں اس کی آتما اس ناؤ پہ سوار ہو کر واپس آتی ہے جو اس کے گھر والے پورن ماشی سے دو روز پہلے سندھ دریا میں چھوڑ دیتے تھے،

"چیت کے مہینے میں بڑا بھاری میلہ لگتا تھا۔ دراصل ہمارا سب سے بڑا خدا یہی دریا تھا کیونکہ ریگستان میں بہتا ہوا جس طرح پراچین مصر والے نیل کو دیوتا مانتے تھے، اسی سکھر میں مچھلی کی پیٹھ پر سوار دریا دیوتا کا مندر تھا۔ اسی کو مسلمان دریا پیر اور خواجہ خضر کہتے تھے، جنوبی پنجاب کے ہندو اسے دریا صاحب کہتے تھے ــــــ ذرا سوچئے ــــــ کتنے فیسی نیٹنگ عقیدے تھے! ناگ دیوتا کے لئے بہ بڑے تھا کہ وہ ٹھٹھہ کے آگے سندھ کے کنارے رہتا ہے۔

اس رات وہ سکھر بیراج پر کھڑی دیر تک سندھ دریا کی کہانی سناتی رہی، اور پھر یکلخت خاموش ہوگئی۔ اس وقت عرفان نے دیکھا کہ وہ اس عظیم الشان اور باجبروت بند کی منڈیر پر جھکی بے حد اکیلی بے حد کمزور اور بے حد اجنبی لگ رہی تھی۔ مہران کی سمندر ایسی موجوں میں گھری میلوں لمبے پل کی روشنیوں کی جھلملاہٹ اور صدیوں تک پھیلے ہوئے صحرا کی وسعت میں کھوئی ہوئی بے چاری لڑکی!

نیچے سندھو چاندنی میں لہریں مار رہا تھا، دونوں کناروں پہ روہڑی اور سکھر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں، پل پر موٹروں اور تانگوں اور بسوں اور سائیکل سواروں کے ریلے گذر رہے تھے نومبر ۵۷ء کے سندھ کی یہ دنیا بہت مختلف تھی۔ اس قدر مختلف کہ اس میں قرول باغ دہلی سے آئی ہوئی سیتا میر چندانی کے لیے کوئی یگانگت نہیں ہوسکتی تھی۔

"آپ نے جام تماچی اور نوری کی کہانی سنی ہے؟" اس نے دفعتاً عرفان سے سوال کیا۔

"نہیں ــــــ"

"شاہ نے کہا ہے ــــــ"

"شاہ کون ہے ــــــ"

سیتا نے حیرت سے اسے دیکھا — "آپ نہیں جانتے — شاہ عبداللطیف کو نہیں جانتے؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"سناؤ سناؤ —"

"نہیں۔ رہنے دیجیے" اس نے نیچی آواز میں جواب دیا "چلیے واپس چلا جائے سردی ہو رہی ہے۔ نادر — اگلا اسٹاپ کیا ہے کل —؟

سندھ سے نکلتے ہوئے نادر نے اس سے کہا "چلیے بھابی جان آپ کے سندھ کی بھی خوب سیر کر لی عرفان بھائی تو آپ کے پیر اللہ بخش جمالی کی زیارت بھی کر آتے۔"

"سندھ نہ میرا ہے نہ پیر اللہ بخش جمالی کا سندھ کے اصل مالک وہ ہاری ہیں جن کے متعلق سوچنے کی تم نے آج تک ضرورت ہی نہ سمجھی ہو گی۔" سیتا نے جواب دیا۔

انقلاب زندہ باد — ! نادر نے بشاشت سے نعرہ لگایا۔ عرفان خوش ہوا کہ وہ اپنے جذباتی موڈ پر قابو پا کر دوبارہ نارمل ہو رہی تھی یعنی سیاسی بحث کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

بہاولپور میں پنج ند کے جنگل کے اونچے گرد آلود درخت اور پانچ دریاؤں کے سنگم پر برستی ہوئی چاندنی بہت خوشگوار تھی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو چاندنی اور زیادہ تیز ہو گئی۔ روشنی میں چمکتی ہوئی سندھی سڑک پر کار چھوڑ کر عرفان نے سیتا سے کہا۔

"صحرا کی خنک عجیب، چاندنی رات: اب میں کیا کر سکتا ہوں اگر مجھے اختر شیرانی کے شعر یاد آ رہے ہیں — ہم اسکول کی اردو کتابوں میں پڑھا کرتے تھے — صبح بنارس شام اودھ شب مالوہ — صبح بنارس اور شام اودھ تو سمجھ میں

آجاتی تھی مگر یہ پلے نہیں پڑتا تھا کہ ریگستان کی رات میں سوائے خاک دھول کے کیا رکھا ہوگا اب یہاں آن کر معلوم ہوا۔ تم نے بنارس کی صبح اودھ کی شام دیکھی ___؟

"جی ہاں ___"

چاندنی میں اس کے ہاتھ کا کنگن تیزی سے جگمگا اٹھا۔ وہ کچھ دیر سے چپکی بیٹھی اسے کلائی میں گھما رہی تھی۔

بڑا خوبصورت کنگن ہے ___ اطالوی ہے نا؟" عرفان نے دریافت کیا۔

"جی ہاں ___"

"نیپلز میں خریدا تھا؟"

"جی نہیں کینیڈا میں ___"

"کینیڈا ___! دنیا میں اور بھی ہزاروں ملک ہیں۔ پر تم کو کینیڈا جانے کی کیا سوجھی تھی؟" عرفان نے تبسم کے ساتھ پوچھا۔

"میرے ماما وہاں تجارت کرتے تھے، پارٹیشن کے بعد انہوں نے ڈیڈی کو لکھا کہ آپ کی مالی حالت اب ایسی نہیں کہ بیٹا کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکیں۔ اسے میرے پاس بھیج دیجئے۔"

"تم تو بے حد خوش ہوگی ___"

"ظاہر ہے ایک اکیس سالہ بے انتہا حساس لڑکی جو شرنارتھی کیمپوں میں گھومنے کے بعد قرول باغ کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہتی ہو اور بس میں بیٹھ کر دور دراز جس کالج پڑھنے جاتی ہو اچانک اسے یہ بتایا جائے کہ اسے کینیڈا یا امریکہ بھیجا جا رہا ہے میرے لیے تو یہ بالکل پریوں کی کہانیوں ایسی بات تھی ___ ماما کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اور مامی بیس پچیس سال سے امریکہ میں رہ رہے

تھے ، اِن کا کاروبار کافی پھیلا ہوا تھا ، اور سال میں چھ مہینے نیویارک میں رہتے تھے ، انہوں نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید کر بھیج دیا اور کولمبیا میں میرا داخلہ کروا دیا ۔"

" وہیں جاکر تم سرخوں کی سنگت میں پڑ گئیں ۔"

وہ ہنسی سرخوں کی سنگت میں تو میں دہلی ہی میں پڑ گئی تھی ۔ میرے ایک کزن جو لاہور سے شرنارتھی بن کر آئے تھے اردو کے افسانہ نگار تھے ، شام نراِئن اردرہ ۔ آپ نے ان کے افسانے ضرور پڑھے ہوں گے ، وہ بڑے سخت ریڈ تھے ، ان کے گھر ہر ہفتہ وار ادبی میٹنگ ہوتی تھی اور فسادوں پر افسانے پڑھے جاتے تھے ۔"

" پھر ۔۔۔؟"

" پھر کیا ۔۔۔۔"

" نیویارک میں کیا ہوا ؟"

وہ چپ ہو گئی ۔

وہ اس سے جو بات پوچھنا چاہتا تھا اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی ۔

" آپ ۔۔۔ آپ شاید جمیل کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں ۔ کچھ توقف کے بعد اس نے فرمانبرداری سے خود ہی کہنا شروع کر دیا گویا اپنے استاد کے سامنے بیٹھی ہو ۔۔۔ جمیل سے میں ایک سرخوں کے جلسے میں ملی تھی ۔ اس زمانے میں مک آرتھی ازم ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اور گرینچ ویلیج میں کافی لفٹ ونگ گروپ تھے جن میں زیادہ تر یہودی نیگرو اور تھوڑے سے ہندوستانی شامل تھے جمیل وہاں اسی سال یو ، این ، میں ملازم ہو کر انڈیا سے آئے تھے ۔"

" پھر ۔۔۔ ؟"

"پھر کیا ___ پھر ___!"

"بہت خوب مانتا ہوں کہ تم بھی اہل زبان کہلانے کی مستحق ہو گئی ہو۔

"ایک فیض آباد والے سے بیاہ جو کیا تھا۔ آخر اردو بھی نہ سیکھ جاتی

جمیل سے ملنے کے بعد میں نے اردو میں دلچسپی لینا شروع کی کیونکہ وہ لٹریچر کے بہت شائق تھے اور ان سے باتیں کرنے کے لیے میرے لیے لازم تھا کہ میں خود کو ان کا ہم مذاق بناؤں اور وہی باتیں سوچوں اور کروں جو ان کو پسند تھیں جب وہ مجھ سے زیادہ قریب آ گئے تو بعض دفعہ بیساختہ اودھی میں مجھ سے بات کرنے لگتے تھے۔ جب میں ان کی دیہاتی زبان کا بہت مذاق اڑاتی تو وہ فخریہ کہتے ___ جناب میں اور میرے گھر والے وہ زبان بولتے ہیں جس میں تلسی داس جی نے رامائین لکھی تھی ___!

شادی سے پہلے میں روز شام کو کیمپس سے سیدھی جمیل کے اپارٹمنٹ پر جاتی جہاں ایک سردار جی جوان کے بہت گہرے دوست تھے باقاعدہ مجھے اردو پڑھاتے مگر ان سردار جی کو افسانے لکھنے کی بھک تھی۔ لہٰذا مجھے پہلے گھنٹہ بھر بیٹھ کر ان کے تازہ افسانے سننا پڑتے۔ کمرے میں ٹہل ٹہل کر وہ کہا کرتے کہ بہت جلد کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کو ڈاؤن کرنے والے ہیں۔ پتہ نہیں بے چارے اب کہاں ہیں۔

"اردو مجھے بہت آسانی سے آ گئی کیونکہ اس کا اور سندھی کا اسکرپٹ ایک ہی ہے نا ___ مجھے یاد ہے جمیل نے شادی کے دو سال بعد اپنی بہن کو لکھا تھا کہ میری بی بی اردو میں ایسی طاق ہو گئی ہے کہ تم لوگوں کو طاق پر رکھ دے۔

"آپ کو معلوم ہے میں بہت کمینی بھی ہوں۔"

"اچھا، وہ کس طرح ___ بتاؤ ___!

"جمیل سے جب میں پہلی بار ملی تو ان کے اور میرے ایک مشترکہ دوست

نے بتایا کہ یہ فرخندہ باجی کے کزن ہیں۔ یہ معلوم کر کے میں ان سے اور زیادہ خصوصیت سے ملی ورنہ شاید شروع میں ان کو SNUB کر دیتی۔"

"اچھا۔ آپ شروع میں لوگوں کو SNUB کر دیتی ہیں۔"

"ڈونٹ اپ ـــــ بات تو سنیے لیکن میں نے ان پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں فرخندہ باجی یا بلقیس کو اتنی اچھی طرح جانتی ہوں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے شروع ہی میں بتا دیا تھا کہ ان کی منگنی کبنے ہی میں ایک کزن سے ہو چکی ہے۔ جو شاید بلقیس کی چچازاد بہن اور ایک رشتے سے جمیل کی بھاوج ہوتی تھی آپ مسلمانوں میں اس قسم کا گھپلا بہت چلتا ہے خیر ـــــ تو اگر میں ان کو یہ بتلا دیتی کہ میں فرخندہ باجی کو جانتی ہوں تو وہ فوراً دلی خط لکھتے کہ سیتا میر چندانی سے شادی کر رہے ہیں اور اس اطلاع پر فرخندہ باجی اور بلقیس مجھے کتنا کمینہ اور ذلیل سمجھتیں احسان فراموشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ دونوں دلی میں میرا کتنا خیال کرتی تھیں اور اب میں ان کی ایک بہن کے منگیتر کو پھانس رہی تھی۔"

"اپنے لیے ایسے لچر الفاظ استعمال مت کرو۔"

"نہیں بالکل ٹھیک تو کہتی ہوں۔ سب لڑکیاں کسی نہ کسی طریقے سے مردوں کو پھانستی ہیں۔ خالی ان کے MODUS OPERANDI مختلف ہوتے ہیں۔ اور آپ احمقوں نے اس کا نام محبت وغیرہ رکھ چھوڑا ہے۔ ہر لڑکی کی زندگی میں صرف ایک مقصد اور صرف ایک تمنا ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی بے وقوف کو پھانس کر اس سے شادی کر لے ـــــ باقی سب بکواس ہے۔

ماشاءاللہ آپ کے گوناگوں فلسفے قابلِ داد ہیں ـــــ"

"تسلیم ـــــ"

ہوا سے اڑتے ہوئے بالوں کو پیشانی پر سے ہٹانے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں جمیل سے جس روز میں پہلی بار ملی تھی اس روز رات کو اپنے ہوسٹل واپس

آکریس نے اپنی روم میٹ گریس سے کہا تھا آج مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اب تک میں انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا تھی اب ایک عورت ہوں !

شادی سے پہلے میں جمیل سے ذرا ذرا سی بات پہ خفا ہو جایا کرتی تھی۔ اور بہت جلدی من بھی جاتی تھی تو ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا ___ تم کبھی شیرنی کی طرح بپھر جاتی ہو کبھی بلی کے بچے کی طرح خر خر کرتی ہو میں نے فوراً کہا تھا، لاحول والا ___ سب سے پہلے ان سے میں یہی فقرہ سیکھی تھی، اس میں لاحول کی کیا بات ہے ___ انہوں نے کہا تھا ___ !

ای ی ی ک ___ میں نے منہ بنایا تھا جس پر وہ کہنے لگے کہ تم اس مادے سے بنی ہو جس سے اولڈ میڈز تخلیق کی جاتی ہیں ۔

" شادی کے بعد جب میں خفا ہو کر کمرہ اندر سے بند کر لیتی تو وہ ہنس کر کہتے ___ تو بھئی ہماری سیتا تو اٹوائی کھٹوائی لے کوپ بھون میں جالیٹیں ۔ جمیل الفاظ کے بادشاہ تھے "!

کئی سنگ میل برابر سے گزر گئے ۔

" پھر ___ ؟ عرفان نے بہت دیر بعد پوچھا " شادی کیسے ہوئی ۔

" ایک روز ہم کہیں سے واپس آرہے تھے ، مانتے ہیں سب وے کے ایک اسٹیشن پر اترتے ہوئے جمیل نے کہا ۔

" سب وے میں ___ ؟"

" جی ہاں شام کے پانچ بجے کے بیڑ بھڑ کے میں ۔

جو کہ بڑی سخت تھیر ونٹنگ بات تھی ۔

" بالکل ___ مگر جمیل کو HUM BUG سے چڑ تھی میں چونکہ پلیٹ فارم پر ہجوم کے دھکے سے آگے بڑھ چکی تھی اس لئے انہیں کافی زور سے چلانا پڑا

اور جب میں دوسری ٹرین پر چڑھ رہی تھی تو انہوں نے پیچھے پیچھے مڑتے ہوئے کہا — سیتا — سیتا — مجھ سے شادی کرو گی ؟ جواب دو جلدی، وقت بہت کم ہے ۔ انہوں نے اس طرح گھڑی دیکھی تھی جیسے ایک دو منٹ کی دیر سے بڑا فرق پڑ جائے گا ۔ اور میں نے اسی رش میں دروازہ میں چڑھتے ہوئے پلٹ کر زور سے جواب دیا تھا — ہاں —"

"پھر —"

" پھر میں نے ماما کو نہیں بتایا اگلے ہفتے ایک ہندوستانی دوست کے گھر پر ہماری شادی ہوئی، خوب تصویریں کھینچیں جو شام کے اخباروں میں چھپیں بیوٹی فل انڈین برائڈ — وغیرہ ، دوستوں نے خوب خوشیاں منائیں ۔ ماما کو میں نے دہشت کے مارے نہیں بتایا، حالانکہ میں اس وقت چوبیس سال کی ہو چکی تھی ، ماما کو اخبار کے ذریعے ہی معلوم ہوا ۔ اور ان کو صدمے کے مارے دل کا دورہ پڑ گیا اور وہ مرتے مرتے بچے انہیں مجھ سے بے حد محبت تھی انھوں نے مجھے بیٹی بنایا تھا جمیل ان سے ملنے کے لیے اِن کے دفتر گئے تو وہ ان سے ملے بھی نہیں ۔ مامی حالانکہ پرانی قسم کی ہیں مگر ماما سے زیادہ سمجھدار ہیں ، میرا خیال ہے عورتوں میں "کومن سنس" زیادہ ہوتا ہے ، پھر بیس برس امریکہ میں رہ کر وہ ذرا روشن خیال بھی ہو گئی ہیں ، ماما بہت پوجا پاٹ کرتے ہیں ، مامی جمیل سے ایک ڈرگ اسٹور میں آ کر ملیں اور انہیں بہت پسند کیا ، جمیل میں یہی تو ایک بات تھی عورتوں کا دل پل کی پل میں موہ لیتے تھے ، پھر مامی نے میری ممی کو خط لکھا — سیتا نے بیاہ کر لیا ہے ، لڑکا اپنی ذات برادری کا نہیں ، نام جے مل ہے ، بعد میں مامی مجھ سے ہنس کر کہتی تھیں ، جمیل اور جے مل میں فرق ہے ، محض نکتوں ہی کا تو فرق ہے ۔

چند روز بعد انہوں نے ممی کو بھی راز میں شریک کر لیا اور وہ بھی اس نکتوں کے فرق والی تھیوری کو مان گئیں۔ ڈیڈی سے انہوں نے یہی کہا کہ لڑکا ہے تو ہندو مگر بہت آزاد خیال ہے کسی مذہب کو نہیں مانتا۔ اور آج کل کون ہندو لڑکا مذہب کو مانتا ہے ____ ڈیڈی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے گھر میں بھی دلی آنے کے بعد شیام بھائی صاحب کی وجہ سے ترقی پسندی کی پرچار ہونے لگی تھی۔

یہاں تم نے ثابت کر دیا کہ ابھی پوری طرح اردو والی نہیں بنیں پرچار اردو میں مذکر ہے۔

"اوہ ____ سوری۔ پرچار ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک ایک لفظ الگ الگ ادا کیا" چند مہینے بعد میں نے اور جمیل نے اکٹھے ڈیڈی کو خط لکھا اور ساری بات بتادی۔ ڈیڈی نے مجھے لکھا ____ میں تم سے خفا ضرور ہوں۔ لیکن اگر تم خوش ہو تو ٹھیک ہے۔ جمیل کو انہوں نے لکھا ____ وہی جو سب بیٹیوں کے باپ اپنے دامادوں سے کہتے ہیں ____ میری نازوں کی پلی لڑکی ہے۔ اس کا دل کبھی مت دکھانا ____" پھر وہ خود ہی ہنسی ____ بے چارے ڈیڈی ____ ڈیڈی بے حد لٹریری آدمی ہیں۔ انہوں نے جمیل کو اس خط میں رامائن quote کی تھی ____ جس طرح ہمالیہ نے گری جا مہیش کو سمندر نے لکشمی ہری کو سونپی تھی اسی طرح جنک نے سیتا رام کو سونپی ____ اور اسی طرح بیٹے ہم اپنی سیتا تمہیں سونپتے ہیں ____ جمیل خود تلسی داس کے ہم وطن ٹھہرے یہ پڑھ کر پھڑک اٹھے۔ عامل لوگ تو کافی آزاد خیال ہوتے ہیں۔ مگر ممی نے اپنے میکے والوں سے جو کٹر آریہ سماجی ہیں یہ خبر آج تک چھپائے رکھی ہے کہ میں نے ایک مسلمان سے شادی کر لی ہے۔ وہ اب تک یہی سمجھتے

ہیں۔ لڑکا یو۔پی کا باشندہ ہے جے مل نامی۔

"جب راہل پیدا ہوا تو ممی، ڈیڈی، ماما، مامی بھی بہت خوش ہوئے اور اس بات سے زیادہ خوش تھے کہ جمیل اتنے آزاد خیال کا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا ایک نام ہندو رکھنے میں کوئی ہرج نہ سمجھا۔

"دو سال بعد جمیل کو تین مہینے کی چھٹی ملی تو ہم لوگ دلی آئے، فرخندہ باجی بلقیس وغیرہ مجھ سے اتنی محبت سے ملیں کہ میں شرمندہ ہو گئی، ممی نے اپنے میکے والے اردو روں کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ لڑکا لکھنؤ کا ہے اسی لیے اردو اتنی اچھی بولتا ہے اور بات بات پر لاحول ولا کہتا ہے اور خدا کی قسم کھاتا ہے۔ ہم شرنارتھی لوگ یو۔پی والوں سے پہلے ہی ناخوش تھے اس لیے خاندان والے اصولاً اس بات پر خفا ہے کہ لڑکی غیر سندھی یا ہیں کیوں گئی۔ دلی ہم چند روز ہی ٹھہرے پھر جمیل کے وطن چاند پور اور تلسی پور چلے گئے۔ میں نے فیض آباد اور لکھنؤ دیکھا، کشمیر کی سیر کی۔ اس کے بعد واپس امریکہ۔

اسی سال ایک لڑکا کلکتے سے ایکٹنگ سیکھنے کے لیے نیویارک آیا۔ اس کا بہت لمبا چوڑا نام تھا۔ ابو الفصاحت قمر الاسلام چوہدری ۔۔"

قمر الاسلام چوہدری ۔۔۔ ؟ مشہور انگریزی شاعر ۔۔۔ جو آج کل ہندوستان کا ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کہلا رہا ہے ؟۔

"جی ہاں ۔۔۔ وہی ۔۔۔ اس وقت وہ بالکل مشہور نہیں ہوا تھا۔ اور اداکاری کے میدان میں قسمت آزمائی کر رہا تھا۔ کمی ترقی پسند بنگالی فلموں میں کام کر چکا تھا اور انگریزی میں نظمیں بہت اچھی لکھ رہا تھا۔ وہ بھی ہمارے گروپ میں شامل ہو گیا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو بڑا انقلابی کہلاتا تھا۔

مگر اب تو جب سے لندن میں اس کی کتاب چھپی ہے میں نے سنا ہے وہ ــــ
ANGRY YOUNG MAN بن گیا ہے۔"

"اس کے بعد کیا ــــ آپ تو لگتا ہے جیسے کہانی لکھنے بیٹھے ہیں۔"

"فضول کی بات مت کرو۔ آگے سناؤ۔"

"اس زمانے میں ــــ خیر چھوڑیئے ــــ اب اس کے ذکر کا کیا فائدہ ــــ"

"نہیں، نہیں ــــ ضرور بتاؤ ــــ مجھ سے کوئی بات چھپاؤ نہیں ــــ"

"آپ میرا سائیکلوجیکل علاج کر رہے ہیں؟ کہیں اس خیال میں بھی نہ رہیئے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ ــــ"

"اچھا خیر ــــ پھر وہی ہوا۔ نہ جانے کیا ہوا ــــ میں یونیورسٹی میں اپنے کام میں مصروف تھی۔ گھر واپس آکر ان کی دیکھ بھال کرتی۔ کھانا بناتی دوستوں کا حلقہ بھی وہی تھا۔ ساری باتیں پرانی جیسی تھیں مگر جانے کیوں جمیل آہستہ آہستہ ری ایکشنری بنتے گئے۔ خیر میں اس کو بھی برداشت کر لیتی۔ مگر انہوں نے شراب حد سے زیادہ پینا شروع کر دی۔ جب وہ رات گئے شراب خانوں سے لوٹتے اور میں کھانا بنا کے ان کے انتظار میں راہ دیکھا کرتی اس وقت تم میرے پاس بیٹھا رہتا ــــ"

"اور تم سے ہمدردی کرتا۔ یہ ہمدردی کا ریکیٹ بھی خوب ہوتا ہے۔"

"آپ خود اس وقت اس ریکیٹ میں شامل نہیں ہیں؟"

عرفان نے غصے سے اسے دیکھا۔ اللہ کی قسم تم بالکل ناقابل برداشت ہو ــــ قصہ سناؤ ــــ"

ہمارے نہیں مانتے ــــ اچھا خیر ــــ اس نے سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔

"نہیں ہمدردی کی بات نہیں عرفان، بس جانے کیا ہوا انسان واقعات اور وقت کے دھارے میں بہتا چلا جاتا ہے اور اسے پھر پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوتے

والا ہے۔ اصل میں میری اور قمر کی دوستی اس طرح شروع ہوئی کہ ایک روز کیمپس پر قمر نے مجھ سے کہا کہ میں شام کو اس کے اپارٹمنٹ پر آؤں اس کی ایک دوست جو کالج میں ایلوکیوشن سکھاتی ہے اس سے ملنے آ رہی ہے، میں اس سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوں گی۔ میرے اور جمیل کے اوقات بالکل مختلف تھے، وہ کھانا بھی اپنے ہی میں کھاتے اور اکثر شام کو گھر آئے بغیر وہیں سے دوستوں کے ساتھ شراب پینے چلے جاتے ہے"

جمیل دوسری عورتوں سے فلرٹ نہیں کرتے تھے۔ اس بات کا مجھے آج تک وشواس ہے، وہ مجھ سے ہمیشہ وفادار رہے۔ مگر اس کے باوجود نہ جانے کیا ہوا۔ حالانکہ عام طور پر گھر دوسری عورتوں کی وجہ سے برباد ہوتا ہے ۔"

"یا دوسرے مردوں کی وجہ سے"

"جی ہاں، بہر حال ہم دونوں کو ایک دوسرے پہ اتنا مکمل اعتماد تھا کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبے کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا" اس کا گلا رندھ گیا۔

"سگریٹ لو۔"

"شکریہ!" اس نے سگریٹ جلا لیا۔ "میں سگریٹ محض اس لیے نہیں پیتی کہ یہ عورت کی سماجی اور اقتصادی آزادی اور مردوں سے ہمسری کا سمبل ہے۔ بس امریکہ میں کالج میں داخل ہوتے ہی اس کی عادت پڑ گئی تھی۔ آپ برا تو نہیں لگتا ۔؟"

نہیں ___ نہیں ___ کار کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ اس کے سگریٹ پینے یا نہ پینے پر میں اعتراض کرنے والا کون؟ اس نے مجھ سے یہ سوال کیا؟

"ہم کیا کہہ رہے تھے؟"

ہیں —؟'

'اوہ۔ معاف کیجیے گا۔ اتنے برس جمیل کے ساتھ رہ کر مجھے مستقل میں کی بجائے ہم کہنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ آپ اودھ والے ہم بولتے ہیں نا — میں بہت احتیاط سے ہم کہتی تھی۔ اور ہمارے کے یہاں اور بہت کے بجائے بہت — جمیل کے لہجے میں اردو بولنے کی نقل کرتی تھی تسلیمات کہنا چھوڑ کر باقاعدہ آداب عرض کہتی تھی جس لگن سے میں نے اپنے آپ کو جمیل کے کلچر میں ڈھالنے کی کوشش کی بہت کم کسی لڑکی نے اپنے پتی کے لیے اتنا کچھ کیا ہوگا — میں نے محض اسی لیے شراب بھی زیادہ پینی شروع کر دی تاکہ شام کو ان کے ساتھ ساتھ رہ سکوں مگر جب میں ان کے ساتھ بار میں جاتی تو وہ خفا ہو جاتے کہ کیوں ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ لگی رہتی ہو۔

"تلسی پور جب ہم گئے' محرم کا زمانہ آ گیا جمیل کے گھر پر بڑے زور کا محرم ہوتا تھا۔ میں بھی کالی ساری پہن کر خوب اپنی ساس نندوں کے ساتھ مجلسوں میں شامل ہوئی حالانکہ میں ہر مذہب کو لایعنی سمجھتی ہوں۔ جب مجھے اسلام ہی سے کوئی دلچسپی نہیں تو شیعہ سنی کے قصے سے کیا مطلب ہوتا مگر جمیل شیعہ گھرانے کے فرد تھے۔ لہذا مجھے ساری دنیا کے شیعہ بہت اچھے لگنے لگے۔"

کسی عقلمند آدمی نے بہت ٹھیک کہا ہے — عورتیں بے حد بوگس ہوتی ہیں۔"

'بات تو ٹھیک ہے — وہ پھر سوچ میں ڈوب گئی۔

'اب کیا سوچ رہی ہو؟"

کچھ نہیں مجھے وہ تلسی پور کا محرم یاد آ گیا۔ کیسا خواب کا ایسا وقت گذرا تھا اور وہاں میں نے ایک بات اور عجیب دیکھی کہ وہاں مجلسوں میں اکثر پنجابی اور سندھی شرنارتھی عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ فرخندہ باجی نے بتایا کہ تقریباً ساری۔ یو۔ پی۔ اسٹیٹ میں یہی ہو رہا ہے آج کل دیکھئے کلچر پیٹرن کس طرح بدلتے ہیں! — تلسی پور میں ان سیدوں کے گھروں کی بے ادبی ہو گی ر — اس طرح سندھ اور پنجاب میں سیدوں کی بے حد عزت کی جاتی تھی نا

"یا اللہ —!"

جی —؟

"معلومات کا سمندر ہے کہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے —!!

"آپ بات تو کرنے نہیں دیتے —"

میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ جمیل غریب بھی دل میں کیا کہتا ہو گا کہ لڑکی کیا پوری لائبریری کی لائبریری سے شادی کی ہے۔

"ویری فنی — ہاہا!

"اچھا قصہ جاری رکھو"

تو شام کو میں قمر کے وہاں پہنچی اس کے کمرے میں سب بوہیمین جمع تھے، عرفان اس لڑکی جینیفر کرین کو دیکھ کر میری لوسٹی گم ہو گئی اور جب قمر نے سب سے اپنی منگیتر کہہ کر اس کا تعارف کرایا تو ہم لوگ بھونچکے رہ گئے گو یہ اینگلو انڈین لوگ دنیا سے انوکھی نرالی باتیں کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جینیفر کرین انتہا سے زیادہ موٹی اور بے ہنگم تھی اور قمر کافی ہینڈسم لڑکا ہے

ہاں میں نے انڈین ہال کمیشن میں اس کا ایک فلم دیکھا ہے ر

"ہے نا ہینڈسم —؟ اور جینیفر کرین خوفناک حد تک موٹی تھی۔ مگر اس کی شکل

بہت پیاری تھی ۔ اس لیے اور زیادہ بے تکی معلوم ہوتی ۔ ایسا لگتا جیسے کسی بڑے سے گلیشیر کے پیچھے سے سر نکالے چل پری جھانک رہی ہو ۔۔ یہ قمر کو بوسٹن کی کسی تھیٹر ورکشاپ میں ملی تھی ، قمر سے ملنے سے پہلے وہ ایک گجراتی لڑکے پر عاشق تھی ، جب وہ اسے دل شکستہ چھوڑ کر بمبئی واپس چلا گیا ، تو بیئر پی پی کر روتی جاتی اور تجریدی نظمیں لکھتی ، اس کی نظمیں نیو ورلڈ رائٹنگ ۔ اور ہڈسن ریویو میں چھپتی تھیں ، اس چیز کا ہم سب پر بڑا رعب تھا ، کیونکہ ہم لوگ کافی کم عمر تھے ، اور سب کے سب انٹرنیشنل سے لے بریٹی بننا چاہتے تھے ، مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح بنیں ۔ "

" اب قمر تو بن گیا ۔

جی ہاں مگر قمر ایسی قسمت ہر ایک کی تو نہیں ہوتی وہ اور جینیفر ایسا عجیب الخلقت جوڑا معلوم ہوا کہ ہم سب بے اختیار ہنس پڑے اور بہت خوشیاں

---

¹ VERY FUNNY

منائی گئیں ۔ شراب کے دور چلے ، جینیفر چونکہ خود بوہیمین تھی ، اس لیے اپنے مٹاپے کا خود مذاق اڑاتی تھی ، سب کو سامنے بیٹھا کہ اپنی نفسیاتی الجھنوں کا تجزیہ کرتی تھی ، اور قمر سے مصر تھی کہ وہ اس کے سامنے کسی اور لڑکی پر عاشق ہو جائے تاکہ وہ حسد اور ٹریجڈی کے جذبات کا تجربہ کر کے بہتر نظمیں لکھ سکے ۔

" ایک مرتبہ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ ہندوستان کی روح کے اندر جھانکنا چاہتی ہے اس لیے قمر سے شادی کر رہی ہے ۔

" خوب ۔۔ "

"قمر نے اس سے شادی تو نہیں کی مگر وہ قمر ہی کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہو گئی۔ ہم لوگوں نے اس بات کا بالکل نوٹس نہیں لیا کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ " OLD MORALITY " کے ہے"

"ہاں۔ ہاں معلوم ہے، قصہ مختصر کرو ۔"

"سال بھر بعد قمر کلکتے واپس چلا گیا، پھر جینیفر کرین روز رات کو میرے پاس روتی ہوئی آئی، گھنٹوں بیئر پیتی اور مزید تجریدی شاعری کرتی چند روز بعد وہ بھی انڈیا چلی گئی اور وہاں پہنچ کر اس نے سچ مچ قمر سے شادی کر لی۔ مگر اس کے بعد ـــــ آپ بور تو نہیں ہو رہے ـ ؟"

میں بے وقوفی کے سوالوں کا جواب نہیں دیا کرتا، کہانی سنائے جاؤ ـ"

مگر یہ تو بہت لمبی کہانی ہے،

نادر نے برابر اگر زور سے ہارن بجایا، وہ ملتان پہنچ چکے تھے،

ملتان شہر میں داخل ہوتے ہوئے نادر نے زور سے نعرہ لگایا ے

اور دیوانے شہر ملتانی   مونچھ سفید اور منہ پہ جوانی

اور دیوانے ـــ"

"کس قدر بے تکے ہیں آپ واللہ ـــ !" عرفان نے کھڑکی میں سے سر نکال کر داد دی "آگے ارشاد ہو"!

آگے یاد نہیں ـــ" نادر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ سرکٹ ہاؤس پہنچ گئے کار سے اترتے ہوئے نادر نے بات جاری رکھی۔

"کمال ہے اس وقت میں سوچ رہا ہوں کہ بچپن کی بعض باتیں ذہن پر کس بری طرح نقش ہو جاتی ہیں عرفان بھائی آپ کچھ روشنی ڈالئے آپ تو بڑے بھاری ماہر نفسیات ہیں ـــ"

"واقعی — "سیتا نے خوش دلی سے منہ بناکر کہا، "جبھی یہ راستے بھر مجھ سے میرے بچپن کی باتیں پوچھ رہے تھے،

"میں نے بچپن میں ترنگ خیال میں ایک نظم پڑھی تھی جو دیوبکارانی کے انگریزی فلم کرما کے متعلق کسی نے لکھی تھی بے حد پُر لطف اکبر کے دہلی دربار کی قسم کی، اس کا بس ایک ہی شعر یاد رہ گیا ہے — کچھ اور بھی تھا —

بلقیس، یاد ہے، "نادر نے پوچھا

"جمیل بھیا کو ساری نظم ازبر تھی۔ ان کو تو ہزاروں شعر نوکِ زبان رہتے ہیں،" پھر وہ سیتا کی طرف دیکھ کر اچانک چپ ہوگئی۔

نادر نے ہڑبڑا کر موقع کو سنبھالنا چاہا — اور دیوان شرر ملتانی — اور دیوانِ شرر ملتانی — اس نے بے وقوفوں کی طرح الاپنا شروع کیا۔ وہ سب برآمدے میں داخل ہوئے

کچھ اور چنڈو خانے کے شعر سناؤں بھابی جان؟ نادر نے گھراتے ہوئے سرگرمی سے پوچھا۔

"ضرور سناؤ — سیتا نے مادرانہ شفقت سے اسے دیکھا۔ بے چارہ میرا دیور —!

بلقیس — نیشنل انتھم شروع کرو —" نادر نے پکارا۔

"؎ کہا مجنوں سے یہ لیلےٰ کی ماں نے —؟

بلقیس نے بالوں سے گرد جھاڑتے ہوئے اسی تندہی سے دریافت کیا پھر اس نے مستعدی سے گانا شروع کیا۔

"کہا مجنوں سے یہ لیلےٰ کی ماں نے —"

کیا کہا — نادر نے قوالوں کے انداز میں پوچھا۔

"کہ بیٹا گر تو کرلے ایم۔ اے پاس —" بلقیس نے تان لگائی۔

آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے عرفان نے سیتا سے کہا "اب ملتان کی ہسٹری شروع ہو جائے"

"شٹ اپ"

"اجی کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی" بلقیس جوش و خروش سے گائے جا رہی تھی، —— یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ —— تو استعفیٰ —— اجی تو استعفیٰ —— مرا باحسرت و یاس ——"

"اٹیچی کیس میز پر پٹختے ہوئے نادر نے گردن ہلا ہلا کر نیشنل اینتھم" کے ٹیپ کا بند اٹھایا۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا —— کام نہیں
واہ وا —— فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت —— عام نہیں
عرفانِ محبت ——
عرفان —— عرفان —— عرفان

دوسرے روز دھوپ بہت تیز تھی اور گرد کے جھکڑ چل رہے تھے، اور شمس تبریز کے مقبرے کے برآمدوں میں خوفناک سرخ آنکھوں والے قلندر اور غلیظ برقعوں میں ملبوس عورتوں اور چرس کے دم لگاتے ہوئے بوفروں اور طوائفوں کا ہجوم تھا، ہر شخص خوفناک تھا۔ لرزہ خیز شکلوں والے کان میں بڑے بڑے بالے پہنے ہوئے فقیر اور "شاہ دولہ کے چوہے" اور دیانت بھانت کی نوجوان بھکارنیں۔

"یہی آپ کی صوفی ازم کی کلچر ہے" عرفان نے طنزیہ آواز میں سیتا سے کہا مگر وہ مقبرے کے باہر ایک دیوار کے سائے میں مسحور کھڑی قلندروں کو دیکھتی رہی۔

ملتان سے روانہ ہو کر جب وہ دوبارہ سیدھی سڑک پر آئے تو عمر خان نے کہا۔

"شہرزاد۔ اپنی داستان شروع کرو"!

"اور کہاں تک سناؤں انجام تو آپ کو معلوم ہے"۔

"نہیں مجھے انجام معلوم نہیں۔ معلوم کرنا چاہتا ہوں"۔

"تاکہ اپنا حکم لگا سکیں"۔

"تاکہ میں اپنا فیصلہ کر سکوں"۔

"اُفوہ ۔۔۔! آپ غیر اشتراکی لوگ کس قدر رومینٹک ہوتے ہیں! ۔۔۔ ہاں تو میں کہاں تک پہنچی تھی"!

"جینیفر نے کلکتے جا کر قمر سے بیاہ کر لیا"۔

"ہاں ۔۔۔ اور ابھی ان کے بیاہ کو چھ مہینے ہی گذرے ہوں گے، ایک روز میں باورچی خانے میں راہل کے لیے دلیہ تیار کر رہی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی میں نے کواڑ کھولے، سامنے قمر کھڑا تھا۔ ارے میں نے کہا، تم کیسے آ گئے، تم نے تو کلکتہ اور نیویارک گھر آنگن بنا رکھا ہے ۔۔۔ تب اس نے ایک سخت ڈرامائی بات کہی ۔۔۔ وہ بڑی گمبھیر بنگالی رومینٹک آواز میں بولا ۔۔۔ سیتنا میں تمہاری وجہ سے واپس آیا ہوں ۔۔۔!

پہلے تو میں سمجھی کہ وہ اپنے کسی ڈرامے کا ڈائیلاگ بول رہا ہے، میں نے اسے مذاق میں ٹالنا چاہا مگر بہت سنجیدہ تھا۔

"بس ۔۔۔ اس کے بعد ۔۔۔" وہ آہستہ آہستہ کہتی رہی ۔۔۔ "جانے کس طرح میں ایک اور دھارے میں بہنے لگی جمیل مجھ سے بعض دفعہ تین تین دن تک بات نہ کرتے تھے۔ صبح کو چپ چاپ دفتر جانے کے لیے تیار ہوئے ۔۔۔ بچے کو پیار کیا ۔۔۔ وہ اپنے بچے پر عاشق تھے ۔۔۔ اور آدھی رات کے بعد گھر

لوٹے ___ پہلے پہلے مجھے خیال آیا کہ میں جمیل کی بے پروائی کا انتقام لے رہی ہوں مگر اصل بات یہ بھی ___ کہ ___"

"کہ میں واقعی قمر کی اور کھنچتی ہی چلی گئی ___ جیسے سانپ کی اور اس کا شکار کھنچا چلا جاتا ہے ___ ایک روز مجھے بتائے بغیر قمر جمیل کے پاس ان کی بار میں گیا۔ اور ان سے کہنے لگا ___ جمیل مجھے تمہاری بی بی سے عشق ہو گیا ہے ___!"

"گڈ گاڈ ___ نو ___!" عرفان نے کہا۔

جمیل بھی پہلے یہی سمجھے کہ قمر اپنے ڈرامے کا ڈائیلاگ بول رہا ہے مگر جب ساری بات اِن کی سمجھ میں آئی تو انہوں نے۔

"ظاہر ہے" عرفان نے اس کی بات کاٹی "انہوں نے پہلے قمر کی ٹھکائی کی ہو گی پھر گھر آ کر تمہاری ٹھکائی کی ہو گی۔ اچھی طرح"

"آپ کو کیسے معلوم؟" سیتا نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے اگر میں جمیل کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا"

"انہوں نے بالکل یہی کیا۔ انہوں نے قمر کے بھی خوب گھونسے لگائے اور گھر آ کر مجھے بہت مارا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جمیل ایسے مدھر اور نرم مزاج کے آدمی پر اتنا جنون سوار ہو سکتا ہے انہوں نے مجھے خوب مارا۔"

"شاباش میرے شیر ___!" عرفان نے کہا "اور اس وقت جمیل نے یہ بھی کہا ہو گا کہ ابھی ابھی میرے گھر سے نکل جاؤ ___ اور رات کا وقت تھا اور باہر بارش ہو رہی تھی"!

سیتا ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگی "جی ہاں ___ بالکل یہی ہوا تھا" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"دیکھو سیتا ___" عرفان نے ہولے سے کہا "تم جو کہتی ہو کہ ہر بات مختلف اور

اور یکنل اور انوکھی اور گہری ہونی چاہیے ـــــ سیتا ساری زندگی ہزاروں لاکھوں بار دہرائی ہوئی داستان ہے۔ ایسا ہمیشہ ہوا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ لوگ اسی طرح محبت میں گرفتار ہوں گے، ایک دوسرے سے مایوس ہوں گے اسی طرح دل ٹوٹیں گے۔ اسی طرح دکھ اٹھائے جائیں گے۔ تم یا جمیل یا قمر، انوکھی بجوبہ روزگار ہستیاں نہیں ہو۔ تم مجھے سطحی اور غیر جذباتی سمجھتی ہو مگر میں جانتا ہوں کس طرح تم جمیل کے گھر سے (جو تمہارا گھر تھا) نکلی ہو گی۔ کس طرح اس نے راہل تم کو دینے سے انکار کیا ہو گا۔ کس طرح تم مدد مانگنے قمر کے پاس گئی ہو گی اور شاید اس نے بھی تمہیں سہارا دینے سے انکار کیا ہو ـــــ ایسی باتیں تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھیں۔ کیونکہ تم اور جمیل اور قمر بڑے غیر معمولی دل و دماغ کے لوگ تھے، مگر زندگی کی چکی میں سب ایک ساتھ پستے ہیں۔ اس میں انٹلکچوئیل اور غیر انٹلکچوئیل کی کوئی تفریق نہیں ـــــ"

وہ سر کھڑکی میں ٹکا کر سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ اب پنجاب کے سرسبز کھیت شروع ہو چکے تھے۔ سرخ اور سیاہ لہنگے پہنے کسان عورتیں پگڈنڈیوں پر سے گذر رہی تھیں۔ منٹگمری کے ضلع سے آگے غروبِ آفتاب کی روشنی میں آسمان بالکل سرخ انگارہ ایسا ہو گیا۔ سڑک پر مکمل سناٹا تھا۔ جوہڑوں پر بن ڈبیاں چکر کاٹ رہی تھیں۔ ایک کسان بڑا سا پگڑ باندھے اور سفید تہمد پہنے بیلوں کی جوڑی ہنکاتا گھر جا رہا تھا۔ بہت دیر تک گھنٹیوں کی سریلی آواز شام کے گمبھیر سناٹے میں بیرا کی۔ سیتا نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کھول دیا۔ ریڈیو سیلون سے لتا کا گیت شروع ہو گیا۔ جس میں گٹار بڑی جان لیوا آواز میں بج رہا تھا۔

"بند کرو اسے۔" عرفان نے جھنجھلا کر کہا۔

سیتا نے فوراً تعمیل کی اور سوئچ آف کرنے کے بعد پھر سر کھڑکی میں رکھ

دیا۔

روڈمت — "عرفان نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

اس نے سسکی بھری اور چھنگلیا سے آنکھ کا کونا صاف کیا۔

"میں تمہارے لیے جو کچھ ممکن ہو گا کروں گا سیتا مگر تبلاؤ بھلا کر کیا سکتا ہوں

عرفان مجھے میرا راہل چاہیے اگر آپ کو مجھ سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو جمیل سے میرا بچہ واپس دلوا دیجئے۔

"راہل جمیل سے ہلا ہوا ہے"۔

"وہ اسے پاگلوں کی طرح چاہتے ہیں۔ امریکہ سے آنے والے دوستوں نے مجھے بتایا ہے کہ دفتر سے سیدھے گھر آکر بس اسی کو کھلاتے رہتے ہیں۔ ایک نیگرو بڑھیا اس کی دیکھ بھال کے لیے رکھ لی ہے۔ شام کو گھر پر ہی تنہا ڈرنک کرتے رہتے ہیں، مگر یہ ان کی دوسری شادی سے پہلے کی بات ہے اب تو انہوں نے اسے اسکول کے بورڈنگ میں ڈال دیا ہے۔ کسی طرح مجھے میرا بیٹا واپس دلا دیجئے عرفان —"

"تم نے ان کے گھر والوں سے کہا۔

"میں ان سے کیا کہہ سکتی ہوں۔

"قانونی مشورہ کیا۔

میں کچھ نہیں کر سکتی — میں نے فرخندہ باجی سے ذکر کیا تھا۔ وہ بیچاری ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہیں۔ انہوں نے جمیل کو ان گنت خط لکھے مگر یہ ایسا الجھا ہوا معاملہ ہے کیونکہ جمیل ان کے بھائی ہیں۔ انہوں نے مجھے طلاق دیے بغیر دوسری شادی کر لی — ابھی تھوڑے دن ہوئے —"

"ارے تم نے سول میرج نہیں کی تھی —"

"نہیں مسلمان ہو کر میرا نکاح پڑھایا گیا تھا کیونکہ جمیل کے بابا نے ان سے

کہا تھا کہ اگر انہوں نے امریکہ میں کسی غیر مسلم سے سول میرج کی تو وہ ان کو عاق کر دیں گے کیونکہ وہ شیعہ مجتہد ہیں جمیل نے مجھ کو یہ بات بتائی، میں ان کے عشق میں اس شدت سے مبتلا تھی کہ میں نے جواب دیا کوئی حرج نہیں، ان کی یہ شرط ضرور پوری کر دیجیے۔ بوڑھے ماں باپ کا دل دکھانے کی کیا ضرورت ہے اور فرق کیا پڑتا ہے مسلم اور غیر مسلم میں تو ان جھگڑوں کو مانتی ہی نہیں سرے سے نکاح نامے پر میرا اسلامی نام شاید سعیدہ بیگم لکھا گیا ہے۔ میں نے بے حد اصرار کر کے بالکل شرعی مہر رکھوایا جو صرف چند ڈالر بنتا تھا۔ چونکہ جمیل نے مجھے طلاق نہیں دی اس لیے اس اسپینش لڑکی کو بھی مسلمان کر کے ہی بیاہ کیا ہو گا۔

وہ مجھے طلاق نہ دے کر اچھی طرح سزا دینا چاہتے ہیں، قصور سراسر میرا تھا میں نے انہیں دھوکا دیا تھا۔ میں کئی مہینے تک متواتر دوپہر کو یا رات کو جب بھی موقع ملتا قمر کے گھر چلی جایا کرتی تھی قمر کے دوستوں کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ میں اس کی مسٹرلیس بن چکی ہوں۔"

• لیکن جس وقت جمیل نے مجھے گھر سے نکالا میں کئی گھنٹے باہر بارش میں سائڈ واک پر کھڑی رہی۔ اگر اس وقت وہ ایک مرتبہ بھی دروازہ کھول کر صرف اتنا کہہ دیتے سیتا — بارش میں مت بھیگو — اندر آجاؤ — تو میں — تو میں واپس جا کر ان کے قدموں سے لپٹ جاتی — عمر بھر ان کو دھوکہ نہ دیتی۔ مگر دروازہ اسی طرح بند رہا — اندر سے راہل کے رونے کی آواز آرہی تھی، وہ بیڈروم کی روشنی جلا کر اسے سلانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے تھے ان کا سایہ میں نے کمرے کی کھڑکی پر پڑتے دیکھا۔ وہ راہل کی پنگوڑی پر جھکے اسے سلا رہے تھے، اسے کمبل اڑھانے کے بعد وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر صوفے پر بیٹھ

گئے، میں دیر تک سانس روکے کھڑکی کے اندر دیکھا کی شاید وہ مجھے اندر بلا لیں، مگر وہ اسی طرح بت بنے اندر بیٹھے رہے اور اس کے بعد روشنی بجھادی

آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا، میں وہاں سے ٹیکسی لے کر قمر کے گھر پہنچی۔ اس وقت اس کے یہاں محفل گرم تھی، اس نے مجھے تعجب سے دیکھا —— اتنی بارش میں کیوں آئیں —— کیسی ہو —؟

میں نے اسے ساری بات بتائی، وہ خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا۔ میں نے غلطی کی تھی — میں تم سے کبھی نہیں نبھا پاؤں گا —— میں بہت غیر ذمہ دار آدمی ہوں، واپس جاؤ اور جمیل سے کہو تمہیں معاف کر دیں، وہ بہت نوبل آدمی ہیں، ضرور معاف کر دیں گے، میں بھی ان سے معافی مانگ لوں گا، ہم دونوں جذبات کے سیلاب میں بہہ گئے تھے سیتارانی —— زندگی کا اصل سکون تمہیں ایک مستحکم آدمی ہی کے گھر میں مل سکتا ہے —— وہ جانے کیا کیا ڈائیلاگ بولتا رہا، میں باہر آگئی۔

چند روز میں نے اپنی دوست گریس کے اپارٹمنٹ میں گذارے اور پھر ماما سے کرائے کا روپیہ لے کر دِلی چلی آئی۔ اب سال بھر سے میں دلی میں ہوں۔

"تم نے بچے کے لیے جمیل کو لکھا؟ خلع کی کوشش نہیں کر سکتیں ؟"

"عرفان یہ سب اتنی ڈراؤنی باتیں ہیں، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس آدمی کو میں نے اپنی زندگی اپنا دل، دماغ، روح سبھی کچھ سونپ دیا تھا ایک روز اس سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے قانونی جھگڑے کرنا پڑیں گے، میں جھگڑا زیادہ نہیں بڑھانا چاہتی تھی کیونکہ ڈیڈی کو سب تفصیل معلوم ہوتی تو ان کا صدمے کے مارے ہارٹ فیل ہو جاتا، ایک بیرسٹر دوست کے ذریعے البتہ جمیل کو خط لکھوا دیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ اس عورت کی اخلاقی حالت ایسی نہیں کہ ایک معصوم بچے

کی پرورش کر سکے ــــ اور عرفان ــــ اس کا یہ پوائنٹ شاید ٹھیک بھی تھا۔ کم از کم دنیا کی نظروں میں ۔

• واٹ ریبش ــــ"

لاہور اسٹیشن پر ہندوستان جاتے والی ٹرین میں سوار ہونے سے پہلے پلیٹ

فارم کی سلاخوں کے ادھر بیٹھے ہوئے کانسٹیبل نے کاغذات کی خانہ پُری کے لیے سوالات شروع کیے تو ایک خانے پر آ کر اس نے پوچھا۔

"مذہب ــــ؟"

سب گڑبڑا گئے ــــ بلقیس فارم مکمل کروا کے ٹرین کے قریب کھڑی حسبِ معمول رشتے داروں سے باتیں کرتے ہیں مشغول تھی، نادر اور عرفانی ببیتا کے ساتھ پولیس کی میز پر موجود تھے۔ کانسٹیبل نے پاسپورٹ کھول کر دوبارہ دیکھا ــــ اور وینا پر نگاہ دوڑائی ــــ"

نام :۔ مسز سینا جمیل

سفر کا مقصد :۔ عزیزوں سے ملنے پاکستان آئی تھیں۔

شوہر کی قومیت :۔ جمہوریہ ہند کا شہری۔

اس نے پھر ایک مرتبہ ستیا پر نظر ڈالی۔ عجیب سا نام ہے، ماتھے پہ بندی لگا رکھی ہے، پاکستان سے انڈیا جا رہی ہیں خاصا پُراسرار معاملہ تھا۔

"مذہب ــــ؟" اس نے دوبارہ سوال کیا۔

"یہ سوچنا پڑے گا ــــ چلیے فری تھنکر لکھ دیجیے ــــ" عرفان نے ہنستے ہوئے کہا۔

کانسٹیبل نے لکھ دیا۔

ہا ہا ہا ــــ نادر نے قہقہہ لگایا ــــ" بھابی جان فری تھنکر۔ اسارے

شگون بڑی خالہ سے پوچھ ، حمر کر تلسی پور میں کرتی تھیں جب جمیل بھیا بیمار پڑ گئے تھے ـــ ہاہا ـــ "

ہاہا ہا ـــ " عزف۔ بی کھوکھلی ہنسی ہنسا

ہاہاہا ـــ سیتا نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

۸

ٹرین نے لاہور سے دہلی پہنچ گئی، بلقیس اسی روز پالم جاکر بمبئی روانہ ہو گئی۔ سیتا قرول باغ واپس پہنچی، دوسرے روز ہما سے ملی، تیسرے روز سے دفتر جانے لگی۔ اس کی مصروف اور خالی زندگی کے معمولات کا سلسلہ وہیں سے دوبارہ شروع ہو گیا، جہاں اسے چھوڑ کر دو تین ہفتے کے لیے پاکستان گئی تھی

بلقیس کے بمبئی سے لوٹنے کے بعد "مدرا اکھشس" شروع ہونے والا تھا اور ماڈرن تھیٹر کے اراکین اس کی تیاریوں میں بے طرح مصروف تھے،

"فرسٹ نائٹ" کے موقع پر سیتا تھیٹر ہال کی سیڑھیوں پہ کھڑی چند دوستوں سے باتیں کر رہی تھی، جب اس نے محسوس کیا کہ ستون کے پیچھے سے ایک آدمی اسے بڑے دھیان سے دیکھ رہا ہے۔ اس کی صورت کچھ مانوس سی تھی، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون ہے، وہ اطمینان سے باتوں میں جھنجھک رہی

جب سب لوگ اندر جانے لگے تب بھی اس آدمی نے ایک دوبارہ مڑ کر اسے اچٹتی نگاہوں سے دیکھا۔ کھیل کے اختتام پر جب وہ بلقیس کو مبارک باد دینے کے ارادے سے للتا کے ڈریسنگ روم میں گئی۔ اس وقت وہ آدمی وہاں پہلے سے موجود تھا اور چار پانچ لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے۔ اپنے انداز سے وہ کوئی بڑی اہم ہستی معلوم ہوتا تھا۔ للتا نے سیتا کا اس سے تعارف کرایا — "پروجیش کمار چودھری!"

پروجیش کمار چودھری — ملک کا عظیم ترین مصور — عالمگیر شہرت کا ایکسپریشنسٹ آرٹسٹ — جس کی تصویریں اس نے نمائشوں اور رسالوں اور کتابوں میں دیکھی تھیں جس کے متعلق امریکہ کے آرٹ میگزینوں میں مضمون پڑھے تھے پروجیش کمار چودھری — اس سے جیتا جاگتا اس کے سامنے تھا —!!

"ہلو سیتا دیبی —" وہ کہہ رہا تھا "قمر سے تو آپ کا بہت ذکر سنا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ اس وقت ملاقات آپ سے ہو گئی۔ آیئے — ادھر بیٹھ جائیں۔"

وہ ملبوسات کے انبار کے پاس اسٹولوں پر ٹک گئے۔ پروجیش بےحد اخلاق سے گفتگو کرتا رہا۔

یہ سوچ کر کہ وہ ہندوستان کے سب سے بڑے مصور سے باتیں کر رہی ہے۔ اسے بڑی عجیب سی سنسنی محسوس ہوئی۔

پروجیش خاصی عمر کا انسان تھا اس کی شخصیت بہت دلکش تھی اور عورتوں کو موہنے کا فن بھی اسے خوب آتا تھا۔

"بچپن سے میں آپ کا نام سنتی آ رہی ہوں۔ کولمبیا میں ہم لوگوں نے آپ کی تصویروں کی نمائش بھی کی تھی۔ انڈیا ایوننگ کے سلسلے میں ایک مرتبہ —" سیتا نے کہا۔

"اچھا ــــ!" وہ بڑی شفقت اور اپنائیت سے مسکرایا۔

"بچپن سے آپ کا نام سنتی آرہی ہوں ــــ" یہ کیا رسمی اور احمقانہ بات کہہ دی میں نے، مگر یہ واقعہ تھا کہ اس وقت وہ یکبارگی بے حد نروس ہو گئی تھی مشہور شخصیتوں سے مرعوب ہونا اس کی بہت بڑی کمزوری تھی، اور اسے اس کمزوری کا احساس بھی تھا، پل کی پل میں ان سب مشہور لوگوں کا جلوس اس کے ذہن میں منڈلایا جن کی وہ لڑکپن سے ہیرو ورشپ کرتی آئی تھی ــــ "میرا مطلب یہ نہیں کہ میں بہت چھوٹی ہوں ــــ" دوسرے لمحے اس نے سنبھل کر کہا۔

"کیوں نہیں ــــ تم تو میری بیٹی کے برابر ہو گی"

"خیر یہ تو غلط ہے ایلچی ــــ؟" اس نے ذرا رک کر پوچھا۔

"ہاں اگر میرے کوئی بیٹی ہوتی تو تم سے کوئی چار پانچ سال ہی چھوٹی ہوتی عمر میں سیتا کو معلوم تھا کہ جب سے اپنی ہنگرین بیوی کو اس نے طلاق دی تھی (جو تو دبڑی مشہور سنگتراش تھی) پرو جیش کمار چودھری نے دوسری شادی نہیں کی تھی، جس طرح گورکی ساری دنیا کو اپنی یونیورسٹی سمجھتا تھا، پرو جیش ساری دنیا کی خوبصورت عورتوں کو اپنی حرم سرا کی ممکن کنیزیں تصور کرنے کا قائل تھا اور ایسا سوچنے میں وہ حق بجانب تھا کیونکہ بہت کم عورتیں اس کی شخصیت کے سحر سے بچ سکتی تھیں، پچھلے بیس سال سے اس کے بے تکلف دوستوں کے حلقے میں اس کے مختلف "پیریڈ" مشہور تھے ۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک جب الہ آباد کی کشمیری نژاد آرٹسٹ پریما بخشی پر عاشق تھا وہ زمانہ اس کی مصوری کا "کشمیر پیریڈ" کہلاتا تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چیکوسلوکین، گجراتی اور راجستھانی "ادوار" جاری رہے ۴۶ء سے ۵۲ء تک جب نامور ہندی ادیبہ کماری راج رانی مصرا نے اس سے متاثر ہو کر تین ضخیم ناول لکھے وہ پرو جیش کمار چودھری کا "گنگا جمنی دور" سمجھا گیا۔

سنہ ۵۲ء سے اب تک اس کے علیحدہ علیحدہ مرہٹی، فرانسیسی، روسی اور پنجابی پیریڈ شروع ہو کر ختم ہو چکے تھے۔ اسی دوران میں اس کی ہنگرین بیوی آئی بھی اور چلی بھی گئی۔ ادھر کچھ عرصے سے اس کی جذباتی زندگی کا کوئی "پیریڈ" منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔

وہ للتا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا بہت دیر تک سیتا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ سیدھی سادھی غیر گنجلک غیر مابعدالطبیعیاتی باتیں۔

ارے یہ اتنا بڑا آدمی اتنا نارمل اور سیدھا سادا نکلا۔

اس کی طبیعت میں کتنا انکسار تھا، کتنی ملائمیت۔ سیتا نے حیرت سے سوچا اور جب پروجیش نے کہا کہ ہفتے کی رات کو میرے ساتھ کھانا کھاؤ تو اس نے فوراً منظور کر لیا۔ قمر اور مادھوری بھی آ رہے ہیں۔" پروجیش نے اضافہ کیا۔

"اوہ ——— ہاؤ ونڈرفل ——— میں قمر سے بہت زمانے سے نہیں ملی ———"

سیتا نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

ہفتے کی شام کو جب وہ پروجیش کمار چودھری کے ہمراہ ریسٹوران میں داخل ہو رہی تھی تو ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر برآمدے میں کھڑی ہوئی کسی لڑکی نے چپکے سے اپنے ساتھی سے کہا ——— "شوگر ڈیڈی ———!!"

سیتا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شکر ہے کہ پروجیش نے یہ پُر ریمارک نہیں سنا۔ اس نے سوچا۔ وہ دونوں اندر جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ ہال قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ آرکیسٹرا کوئی تازہ ترین امریکن دھن بجانے میں مصروف تھا۔ لوگ آ آ کر میزوں پر بیٹھ رہے تھے یا باہر جا رہے تھے۔ پروجیش اپنے کسی شناسا سے بات کرنے کے لیے اٹھ کر دوسری میز پر چلا گیا۔ سیتا اپنی میز پر بیٹھی ریسٹوران کے مجمع کو دیکھتی رہی۔ کیسے کیسے لوگ، نئی ہندوستانی اسٹیج کے اداکار ——— اردو کے شاعر اور ادیب ——— نئے دولتمند سندھی اور پنجابی جو دس سال قبل اسی شہر

میں پاکستان سے شرنارتھی بن کر آئے تھے۔ یا ہر کنات سرکس کے راستوں پر موٹروں کا جوار بھاٹا ابھر رہا تھا ـــــ مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدے دار فلم سیمنار کے لیے آئے ہوئے بمبئی اور کلکتے کے مشہور ایکٹر اور ایکٹریسیں اور ڈائریکٹر ـــــ کانگریس اور سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں کے نیتا ـــــ اسی نئی سوسائٹی کے متعلق ریسرچ کر کے اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی تھی ـــــ چند منٹ بعد پروجیش میز پر واپس آیا اور نرم نرم آواز میں اس سے باتیں کرتا رہا ان کم بخت بنگالیوں کی آواز میں کتنا جادو ہوتا ہے ـــــ

تھوڑی دیر میں قمر اور مادھوری آ گئے ـــــ مادھوری کی مانگ میں سیندور تھا۔

"مسز چودھری ـــــ" پروجیش نے سیتا سے تعارف کرایا۔

"مبارک ہو قمر ـــــ" سیتا نے مسکرا کر کہا۔

"تھینکس ـــــ سیتا ـــــ! ہم لوگوں نے اتنی جلدی میں شادی کی ہے کہ سب دوستوں کو خبر بھی نہیں کر سکے ـــــ اور تم تو پاکستان چلی گئی تھیں۔"

"قمر نے بڑی محبت اور خلوص سے سیتا سے باتیں شروع کیں جس طرح دو پرانے دوست ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

اسی وقت پروجیش نے ایک روسی دوست کو اپنی میز پر بلا لیا جو اردو میں ریسرچ کرنے کیلئے ماسکو سے علیگڑھ آئی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد دو اور روسی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ یہ دونوں بھلائی میں انجنیئر تھے۔ یہ لوگ "ہندی والے" تھے اور "اردو والی" روسی لڑکی سے اردو ہندی کی بحث میں الجھے ہوئے تھے اور نہایت ثقیل اردو اور نہایت شدھ ہندی بول رہے تھے۔

پروجیش قہقہہ مار کر ہنسا ـــــ "اردو ہندی کا جھگڑا ایسا ہے کہ تم روسیوں کو بھی لے ڈوبا ـــــ" اس نے کہا۔

جوں جوں رات گہری ہوتی گئی۔ پروجیش کے مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ڈنر کے اختتام پر جب سیتا باہر نکلنے لگی تو قمر اور مادھوری نے اسے بڑی گرمجوشی سے

آئندہ اتوار کو اپنے گھر مدعو کیا۔

قمر اور مادھوری کی شادی کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں سندر نگر کے ایک فلیٹ میں رہ رہے تھے۔ مادھوری سرکاری افسر تھی اور اپنی کار چلاتی تھی، اس وجہ سے قمر کو اپنی مالی کامیابی کے باوجود کار خریدنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اِن دنوں وہ دونوں اپنا گھر انتہائی آرٹسٹک انداز سے سجانے میں جٹے ہوئے تھے۔ اور زیادہ تر شام کو باہر جانے کے بجائے وہ اپنے قریبی دوستوں کو اپنے یہاں مدعو کر لیتے تھے۔ جہاں سب مل کر کھانا بنانے میں مادھوری کی مدد کرتے۔

اتوار کی شام حسب وعدہ وہ پروجیش کے ہمراہ قمر کے گھر پہنچی۔ قمر گھنٹی کی آواز سن کر بہت خوش خوش دوڑتا ہوا نیچے استقبال کے لئے آیا، اوپر پہنچ کر اس نے مہمانوں کو سیٹنگ روم میں چھوڑا اور ان کی خاطریں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ پروجیش نے جو بہت بڑی پینٹنگ قمر کو شادی میں تحفے میں دی تھی اس کے نیچے دیوان پر بیٹھے ہوئے سیتا نے دیکھا کہ کامیابی نے قمر کو ایک حد تک مختلف شخصیت بنا دیا تھا۔ اس کے انداز میں خود اعتمادی آگئی تھی۔ شاید وہ اب اتنا لپاڑی بھی نہیں رہا تھا۔ مہمانوں سے باتیں کرتے کرتے وہ کبھی کبھی نظریں اٹھا کر بڑے پیار سے مادھوری کو دیکھ لیتا تھا مادھوری نے اس پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ وہ اس کی لوہیمین ازم دور کرنے میں تندہی سے مصروف تھی

قمر الاسلام چودھری اس وقت ایک کامیاب، نامور، دولتمند انسان تھا اور مسرور و مطمئن ——— کامیابی ہر طرح کے لیے کتنی عمدہ شے ہے۔

اس وقت وہ بڑی بے نیازی اور بے پروائی سے اپنے برطانوی اور امریکن پبلشرز کا ذکر کر رہا تھا ——— اور سیتا نے دیکھا کہ اس کی گفتگو میں کہیں پر بھی غرور یا اتراہٹ یا خود ستائی کی جھلک نہیں تھی۔ کامیابی انسان کو انکسار بھی سکھلا دیتی ہے چند روز بعد وہ ماسکو

جارہا تھا. اس کی تمثیل مشرقی برلن میں اسٹیج کی جانے والی تھی، حال ہی میں اس نے اپنا پہلا ناول مکمل کیا تھا اس ناول کو چھپوانے کی اسے جلدی نہیں تھی. کیونکہ نظموں کے مجموعے کی اشاعت سے اسے اتنی شہرت مل گئی تھی کہ اب اسے مزید شہرت کی چنداں پروا نہیں رہی تھی. کامیابی انسان کو قانع بھی بنا دیتی ہے.

گھنٹی بجی اور ستیش گوپال اور جینیفر کرین اندر آئے. جینیفر سیتا کو دیکھتے ہی نعرہ لگا کر اس سے لپٹ گئی۔ "ڈارلنگ ـــ تم کو اتنی صدیوں بعد دیکھا ہے ـــ کیسی ہو ـــ! میں اب مسز گوپال ہوں ـــ اور تم؟"

ستیش گوپال نے مسکرا کر سیتا کو نمستے کیا. سیتا اس سے ایک بار یقیناً کے وہاں مل چکی تھی. وہ بڑا خوش اخلاق اور ملنسار قسم کا پنجابی لڑکا تھا. محکمۂ اطلاعات میں کام کرتا تھا اور اردو میں شعر کہتا تھا.

"ہندوستان کی روح کے اندر جھانکنے کی تمہاری پروجیکٹ ابھی مکمل نہیں ہوئی؟" کھانے کے لیے جاپانی وضع کی لمبی پوکی کے نزدیک کشن پر بیٹھتے ہوئے سیتا نے جینیفر سے دریافت کیا.

"بنگال کے بعد پنجاب کا جائزہ لینا بے حد ضروری تھا ـــ" جینیفر نے اطمینان سے جھکسکڑا مار کر فرش پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا.

"ابھی تو ہندوستان کی چودہ(۱۴) اسٹیٹس اور باقی ہیں جینیفر ڈیر ـــ؟" سیتا نے کہا.

"خدا میری مدد کرے ـــ!" جینیفر نے آنکھیں گھما کر چھت کو دیکھتے ہوئے جواب دیا.

"سیتا جی ـــ!" ستیش نے اسے مخاطب کیا، "قمر صاحب اب مصر ہیں کہ میں ان کے ناول کا اردو میں ترجمہ کروں. آپ نے پڑھ لیا اسے؟"

"ابھی تو نہیں ——"

قمر فوراً مسودے کا فائل نکال لایا۔

"نام تو بڑا اچھا ہے —— بادلوں کا شہر —— مطلب ——؟" پروجیش نے عنوان پر نظر ڈال کر کہا۔

"ارے صاحب وہ نیویارک کے اسکائی اسکریپرز کے باسی بادلوں میں رہتے نا —— اپنی تو سمجھ میں یہی آیا —— گو اسے بھی قمر صاحب نے آپ کی پینٹنگز کی طرح ناقابل فہم بنانے کی کوشش تو پوری کی ہے۔" ستیش گوپال نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد قمر مسودہ لے کر سیتا کے پاس آبیٹھا۔ "سیتا —— میں کسی روز یہ ناول تمہیں خود پڑھ کر سناؤں گا —— سنو گی؟ تمہیں نیویارک کی وہ طوفانی رات یاد ہے جب برستی بارش میں تم میرے پاس آئی تھیں اور میں کچھ نہ کہہ سکا تھا —— یاد ہے نا ——؟ میں نے اس طوفانی رات کا باب اپنے خونِ جگر سے لکھا ہے ——" اس نے آہستہ سے کہا۔

سیتا نے نفرت سے اس پر نظر ڈالی —— تم زندگیوں سے اسی لئے کھیلتے ہو کہ بعد میں ان کے متعلق کامیاب ناول لکھ سکو۔ تم انٹلکچوئیل لوگ دراصل کتنے بڑے فراڈ ہو۔ اس نے دل میں کہا۔

جینیفر اب قہوہ بنانے میں مادھوری کی مدد کرنے باورچی خانے میں جا چکی تھی اور وہ دونوں کسی بات پر خوش خوش ہنس رہی تھیں۔ ستیش پھلکاری کے ٹکڑے پر بیٹھا بک کیس میں کتابیں دیکھنے میں مصروف تھا —— اور قمر سے کوئی بات کہہ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے سیتا کا سر چکرا گیا۔ یہ بوہیمین انٹلکچوئیل لوگ شادیوں کے سلسلے میں ایک قسم کی میوزیکل چیئرز کھیل رہے تھے اور کتنے ناقابلِ اعتبار تھے —— کیونکہ خود انہیں اپنی زندگیوں پر اعتبار نہ تھا۔

یکلخت اسے عرفان یاد آیا —— اور اس یاد نے اسے بے حد دل گرفتہ کیا۔ اس

لمحے وہ نہ جانے کہاں ہوگا۔ لاہور، پشاور، پنڈی، واقعی اس نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ اور عرفان دو مختلف کروں پر زندہ تھے۔

عرفان نے اس کی روانگی کے وقت لاہور کے پلیٹ فارم پر نیچی آواز میں کہا تھا۔
"تم مجھے غیر جذباتی سمجھتی ہو مگر اب تمہارے جانے کے بعد میں مستقل یہ شعر پڑھ پڑھ کر آنسو بہایا کروں گا ـــــ آنسو بہانا کیا دھاڑیں مار مار کر رؤوں گا۔"

"کون سا شعر ـــــ؟"

عرض کرتا ہوں ؎

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

۹

پانچ چھ مہینے گذر گئے ——

ایک روز کافی رات گئے بلقیس کھانا کھا کر ہاتھ دھونے کے لیے غسل خانے کی طرف جا رہی تھی، جب زور زور سے فون کی گھنٹی بجی —— "سیتا ہو گی وہی اس طرح وقت بے وقت فون کرتی ہے ——" بلقیس نے چھوٹی خالہ سے کہا اور لاؤنج میں جا کر ریسیور اٹھایا۔

اس کا خیال ٹھیک تھا۔ ہما کے گارڈن ہاؤس سے سیتا بول رہی تھی۔

"بی بی —— میں کل صبح کولمبو جا رہی ہوں ——"

"کیا کہا —— ؟ کوالالمپور —— ؟ خدا کے لیے —— کیوں بھئی —— ؟"

"کولمبو بھئی ——" سیتا کی آواز میں بڑی نقاہت تھی۔

"مگر کیوں ؟"

"مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ جمیل وہاں یو۔این کے کسی کام سے آئے ہوئے ہیں۔"

"تو ——؟"

"میں جا کر آخری بار اُن سے پرارتھنا کروں گی کہ راہل مجھے دے دیں۔"

"یہ جنگلی بطخ کا تعاقب ہے سیتا ڈیر —— اور تم وہاں کیوں جاؤ —— شاید وہ دلی بھی آئیں گے۔ اتنے قریب آکر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں نہ آئیں —— مگر اُنہوں نے ہمیں کولمبو آنے کے متعلق کچھ نہیں لکھا ——"

وہ وہاں صرف ہفتہ بھر کے لیے آئے ہیں۔ سیدھے جکارتا چلے جائیں گے اور پھر واپس نیویارک۔ میں نے یو۔این انفرمیشن آفس سے سب معلوم کر لیا ہے ——"

"اور کولمبو میں تم انہیں پکڑ لو گی۔"

"ہاں —— میں سب انتظام کر لوں گی ——"

"یا اللہ —— ! تم روز بروز زیادہ پر اسرار ہوتی جا رہی ہو سیتا ڈیر —— وہ کس طرح ؟ بڑی ری سورس فل ہو بھابی۔"

وہ تمہارے والے جہاشے بھی آجکل وہیں پر ہیں۔ کسی کانفرنس کے چکر میں گئے ہیں۔"

"ہمارے والے جہاشے کون ؟"

"وہی ——" وہ ذرا جھجکی —— "عرفان۔"

"تم کو کیسے معلوم ؟"

"میں —— مجھے انہوں نے لکھا تھا۔"

"اچھا —— آپ ان سے خط و کتابت بھی کرتی رہی ہیں۔ تم واقعی بڑی زبردست DARK HORSE ہو سیتا رانی ! اگر کہیں خدانخواستہ میں ان سے شادی کرنے والی ہوتی تو اسی وقت آکر تم سے ڈوئل لڑتی !!"

"چونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم ان سے شادی نہیں کر رہیں، اس لیے میں ان کے خطوں کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا"

"اوہ — یور مائنڈ — میں مذاق کر رہی تھی۔ تم کس قدر بوڑھی بنتی جا رہی ہو مجھے تمہاری طرف سے فکر ہو گئی ہے — بیچارا پ!"

"تو وہ عرفان صاحب بڑے سمجھدار آدمی ہیں۔ میں ان سے کہوں گی کہ جمیل کو سمجھا بجھا کر راضی کرنے کی کوشش کریں — تمہارے ناطے — انہوں نے مجھ سے پاکستان میں وعدہ کیا تھا کہ ہر ممکن مدد کریں گے — اس کے علاوہ میں ڈیڑھ سال کام کرتے کرتے تھک گئی ہوں — ذرا سیر بھی کر لوں —"

"تو سیر کرنے کے لیے یہاں جگہیں کم ہیں۔ کشمیر یا کیرالا چلی جاؤ۔ اتنی دور جا کر روپیہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے — اور پھر تم نے ہی بیہودہ بات کہی — میرا ناطہ کیسا ہے؟"

"میرا مطلب یہ کہ وہ تم لوگوں کے فیملی فرینڈ ہیں —"

دوسری بات یہ کہ جمیل بھیا دوسروں تیسرے کے سمجھانے سمجھنے کے بجائے اور زیادہ چڑ جائیں گے۔ تم ان کا غصہ نہیں جانتی ہو — میں ان کی بہن ہوں — میں جانتی ہوں"

"میں ان کی بیوی ہوں — بلقیس —"

"گڈ گاڈ — سیتا تم کو عقل کی بات بتانا بالکل بیکار ہے۔ سیدھے سبھاؤ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ چونکہ تمہارے لیے پاکستان جا کر عرفان سے ملنا تقریباً ناممکن ہے اور ہم سب کیلئے AWKWARD بھی اس لئے تم محض ان سے ملاقات کرنے کو لمبو جا رہی ہو — تم کس کو بیوقوف بنانا چاہ رہی ہو۔ سیتا ڈیر —؟"

"بلقیس —" سیتا نے غصے سے کہا "تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہی

ہو؟"

"اس لیے کہ تم دن بدن زیادہ احمق ہوتی جارہی ہو، لوگ یہاں تمہارے اسکینڈل بیان کرتے ہیں تو شرم تو ہم لوگوں کو آتی ہے۔"

"گڈ نائیٹ بلقیس ـــ" سیتا نے غصے سے لرزتے ہوئے زور سے رسیور پٹخ دیا۔

"کس سے لڑ رہی تھیں؟" ہما نے بچے کو لوری دیتے ہوئے اپنے کمرے سے بڑی میٹھی آواز میں پوچھا۔

"تم لوگ سب مل کر مجھے کھا جاؤ گے۔" سیتا نے زہر بھرے لہجے میں جواب دیا اور بیگ اٹھا کر تیر کی طرح گیلری سے باہر نکل گئی۔

۱۰

والمیکی اور نانک کو میرا پرنام جنہوں نے الفاظ اور ان کے معانی ایجاد کیے۔ — والمیکی ہنومان، بھوانی اور شنکر رام اور سیتا کو میرا پرنام — ہری ہر — جس کے کارن یہ دنیا حقیقی نظر آتی ہے۔ — جس طرح رسی کو سانپ سمجھ لیا جاتا ہے، ہری ہر — جس کے چرن ہی ایسی ناؤ ہیں جن کے ذریعے سنسار — پیدائش — اور موت کے سمندر کو پار کیا جا سکتا ہے۔ — وشنو — جس کا چہرہ ہاتھی کا ایسا ہے، جو کالی یگ کی بدی کو جلا کر راکھ کر دیتا — مجھ پر کرم کر۔ دودھ کے سمندر میں رہتے والے خدا جو نیل کنول کے مانند نیلا ہے۔ مجھ پر رحم کر — گرو رامانند کے قدموں کی دھول سے، جو اجرت ہے، میں اپنی خرد کی آنکھوں کو صاف کروں گا۔ سنتوں کے کرم کپاس کے پھول ایسے ہیں۔ خشک اور سپید اور ملائم — میرا گرو جو دنیا میں مجسم پریاگ — جہاں سے

گنگا بہتی ہے جو رام کی بھگتی ہے ۔ جو دھیان ہے ۔ جو سرسوتی کی مانند ہے ہری اور ہر کی کہانی تربینی ایسی ہے ۔ دھرم بر گد کا مضبوط درخت ہے ۔ بد نفس اس دنیا میں کیتھ کی طرح تباہ کن ہیں اور کمبھ کرن کی طرح ستاتے ہیں ۔ خدا اور بندہ، دولت اور افلاس، بادشاہ اور بھکاری، کاشی اور مگدھ ۱ گنگا اور کرم ناشن ۲ مارواڑ اور مالوہ ۳ برہمن اور قصائی ۔ وید دتے ان کا فرق بتایا ہے ۔ میں سفید کاغذ پر لاپرواہی لکھتا ہوں ہوں جو سچ ہے ۔ ملایا سے جو لکڑی آتی ہے اسے بڑا بیش قیمت سمجھا جاتا ہے اسے محض لکڑی کون سمجھتا ہے ۔ ثبار دا ۴ کی بوندیں سیپی میں گرتے ہی پر نماشی رات کو صدف بن جاتی ہیں ۔

اودھ کے بیحد مقدس شہر اور بیحد مقدس سرجو کو میرا پرنام ہیتا اور رام جو اس طرح ہیں جیسے لفظ اور اس کے معنی پانی اور اس کی موج رگھوپتی کی بھگتی برسات کا موسم ہے ۔ رام کے بھگت دھان کے اُگتے ہوئے پودے ۔ رام نام کے حروف ساون بھادوں کے مہینے ۔ پر خلوص محبت دہ جنگل ہے جس میں رام اور سیتا گھومتے ہیں ۔ ذہین سوالات کشتیاں ہیں ان کے جواب ماہر ملاح

---

۱ کاشی نیکی ہے ۔ مگدھ بدی
۲ گنگا کی ایک شاخ جس کے متعلق عقیدہ ہے کہ اس کو چھونے سے سارے کرم کا ناس ہو جاتا ہے
۳ مارواڑ صحرا ہے، مالوہ سبزہ
۴ بارش

رام کے الفاظ مضبوط گھاٹ ہیں ۔

منو بادشاہ جو نسلِ انسانی کا باپ ہے اس کا پوتا ہری بھگت تھا ۔ منو اور ان کی بی بی نے راج پاٹ تج کر تپسیا کے لیے جنگلوں کا رخ کیا ۔ میاں اور بی بی جنگل میں اس طرح چلے جاتے تھے ۔ گویا خرد اور عقیدہ ہمراہ ہوں ۔ رام نام

بھگوتے واسو دیو، کا جپ کرتے وہ جب گھومتی کنارے پہنچے اور ہزاروں سال عبادت کرتے رہے تب خداوند عالم نے کہا مانگو۔ تمہاری کیا خواہش ہے۔ منو نے کہا۔ خداوندا۔ میں تجھ ایسا بیٹا چاہتا ہوں ۔ خداوند عالم نے کہا۔ میں لاثانی ہوں۔ میرا جیسا دوسرا کوئی نہیں رہیں البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ تیرے بیٹے کے روپ میں دنیا میں آؤں،

اری ہما ۔ اماں نے رامائن کے صفحے پر انگلی رکھ کر اپنے کمرے سے آواز دی ۔ اری سیتا کیا چلی گئی ؟ اسے کھانا تو کھلا دیا ہوتا۔"

ہما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بیڈ روم اندر سے بند کیے بچے کو سلانے میں مصروف تھی، سارا گارڈن ہاؤس خاموش پڑا تھا، شہزادہ ابھی نئی دہلی سے واپس نہ آیا تھا اماں نے عینک لگا کر دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

"مہاراجہ ستیہ کیتو لنک بیٹے راج میں سارے دیس میں دودھ کی ندیاں بہہ گئیں، وہ راجہ بے حد نیک اور بہادر تھا ایک روز وہ وندھیاچل کے پہاڑوں میں ہرن کا شکار کھیلنے لگے اور ایک بے حد حسین جنگلی سؤر کا پیچھا کرتے کرتے ایک کھوہ میں جا پہنچا، جہاں ایک شہزادہ جوگی کے بھیس میں رہتا تھا، اسے راجہ نے میدانِ جنگ میں شکست دی تھی اور تب سے وہ اس کا دشمن تھا، راجہ اس کو پہچان نہ سکا اور نقلی جوگی نے کہا "میرا نام ایک تنو ہے، ابتدائے عالم سے میں ایک ہی جسم میں رہتا آیا ہوں کہ تپسیا سے انسان بڑی قدرت حاصل کر لیتا ہے، سادہ لوح راجہ نے اس سے کہا گرو! ایسی دعا دو کہ میں اور میرا راج پاٹ امر ہو جائے، اس چالاک سنیاسی نے کہا یہ جبھی ممکن ہے جب تم برہمنوں کو تابع کرو، برہمنوں کے شراپ سے ساری طاقتیں زیر ہو جاتی ہیں، تم میرے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا روزانہ ایک لاکھ برہمنوں کو کھلاؤ اور وہ تمہارے تابع فرمان ہو جائیں گے، جوگی کی مدد سے راجہ نے برہمنوں کی ضیافت کی، جیسے ہی برہمنوں نے کھانا شروع کیا، آسمان سے آواز آئی خبردار اس بھوجن کو ہاتھ نہ لگانا

اس میں برہمن کا ماس پکا ہے ــــ لہذا برہمنوں نے راجہ کو شراپ دیا کہ اس کا اگلا جنم راکھشس کی صورت میں ہوگا، تب آکاش سے آواز آئی برہمنو! تم نے بغیر سوچے سمجھے شراب دیا ہے، راجہ بے قصور ہے مگر برہمنوں کا دیا ہوا شراپ واپس نہیں لیا جا سکتا تھا چنانچہ اگلی مرتبہ راجہ راکھشس کی صورت میں پیدا ہوا۔ اس کے دس سر تھے اور بیس ہاتھ، اور وہ بے حد بہادر جنگجو تھا اور اس کا نام راون تھا اس کے وزیر نے اس کے سوتیلے چھوٹے بھائی وی بھی شن کے روپ میں جنم لیا جو بڑا وشنو بھگت اور عاقل تھا جب راون نے بڑا تپسیا کی تو برہما نے پوچھا مانگ! تیری کیا خواہش ہے ــــ راون نے کہا ــــ میں چاہتا ہوں کہ صرف انسان یا بندر کے ہاتھ مارا جاؤں ــــ برہما نے کہا ــــ تیری یہ آرزو پوری ہوگی۔

سمندر کے وسط میں ایک پہاڑ ہے اس پر برہما نے ایک مضبوط قلعہ بنایا جو اندر کے شہر امراوتی سے بھی زیادہ خوب صورت تھا اور لنکا کہلاتا تھا اس کے چاروں اور سمندری پانی کی خندق تھی اور اس کی دیواریں سونے کی تھیں جن میں ہیرے جواہرات جڑے تھے، راون نے اس لنکا کو اپنی راجدھانی بنایا اور اس میں اطمینان سے رہنے لگا۔ عشرت، دولت، بیٹے افواج فتح و نصرت، طاقت، ذہانت سب کچھ اس کا تھا اس کا بھائی کمبھ کرن جو بے حد پیٹو تھا سال میں چھ مہینے سوتا تھا۔

اپنی طاقت کے نشے میں آکر ایک روز راون نے ساری کائنات کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ــــ ساری دنیا اس کی محکوم ہوگئی ــــ نیکی اس جہان سے رخصت ہوئی

تب خداوند عالم نے کہا ــــ میں نے مدتیں گذریں کیشپ اور آدتی سے ان کی ایک آرزو پوری کرنے کا وعدہ کیا تھا اب میں سورج بنسی خاندان میں پیدا ہوتا ہوں اور میرا نام رام ہوگا۔

اودھ کے شہر میں رگھو بنشی راجہ دسرتھ حکومت کرتا تھا جو ویدوں کا ماہر اور

نیک اور عقلمند اور وشنو کا بندہ تھا۔"

باہر موٹر آ کر رکی۔ شہزاد آہستہ آہستہ سیٹی بجاتا اندر آیا۔ پھر اس کے قدموں کی چاپ اس کے بیڈ روم میں بچھے ہوئے قالین میں ڈوب گئی۔

اماں نے کئی ورق الٹے اور پڑھنا شروع کر دیا۔

"اور جب دونوں شہزادے اس خوب صورت شہر کے باہر پہنچے جہاں دریا کے کنارے اور بہت سے شاہزادوں نے خیمے لگا رکھے تھے، تب وشوامتر نے کہا رگھو ہم یہاں ٹھہریں گے۔

جب متھلا کے راجہ کو معلوم ہوا کہ رشی وشوامتر تشریف لائے ہیں تو وہ خود ان سے ملنے کے لیے آئے اور انھوں نے پوچھا — اے مہاراج — بتلائیے — یہ دونوں خوبصورت لڑکے جن میں سے ایک سانولا ہے اور ایک گورا — آپ کے ساتھ کون ہیں — کیا ذاتِ مطلق جسے ویدوں میں "یہ نہیں ہے" کہا گیا ہے دوئی کے روپ میں ظاہر ہو گئی ہے؟ اور وشوامتر نے بتایا کہ یہ دونوں عاقل اور بہادر بھائی رام اور لکشمن ہیں۔

اور شہر کی عورتیں جو کھڑکیوں کی جالیوں سے جھانک رہی تھیں، انھوں نے ایک دوسرے سے کہا — وہ سانولے بدن اور کنول نینوں والا جس نے تیر کمان اٹھایا ہوا ہے کوشلیا کا بیٹا رام ہے اور وہ گوری رنگت والا جو اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے اس کا وفادار اور لاڈلا بھائی اور سمترا کا بیٹا لکشمن ہے — اور یہ دونوں یہاں دھنش توڑنے کے مقابلے کا نظارہ کرنے آئے ہیں۔

اور سیتا گوری کی پوجا کے لیے باغ میں آئیں اور رام نے ان کی پائل کی جھنکار پر نظریں اٹھائیں اور رام کی نظریں سیتا کے چہرے پر ایسے جمیں جیسے چاند چکور کو دیکھتا ہے۔

اور لکشمن نے کہا — بھیا — یہ جنک کی بیٹی سیتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے دھنش توڑنے کا مقابلہ کیا جا رہا ہے —

درختوں کے بیچ سے سیتا نے رام پر نگاہ ڈالی اور ان کی نظریں رام پر ایسے جمیں جیسے چکور خزاں کے چاند کو دیکھتا ہے ۔۔۔ انہوں نے رام کو آنکھوں کے ذریعے دل میں داخل کر کے پلکوں کے کواڑ بند کر لیے۔

جب رام سیتا کو بیاہ کر ایودھیا لوٹے ۔۔۔؟

"اماں ۔۔۔" ہما نے دروازے میں آ کر کہا ۔۔۔ "آنند رُٹے جا رہا ہے ذرا آ کر چپ کرائیے ۔۔۔"

"لڑکی تو مجھے کبھی چین سے بیٹھ کر پاٹھ نہیں کرنے دیتی ۔۔۔" کتاب ہاتھ میں لیے بڑبڑاتی ہوئی وہ دوسرے کمرے میں گئیں اور آنند کو گودی میں لٹا کر دوسرے گھٹنے پر کتاب رکھ لی اور ہلکورے دے کر اسے سلاتے ہوئے بولیں ۔۔۔ "لے تو بھی سُن ۔۔۔ رام نام سن کر دیکھوں تو تو کیسے اپنی ماں کو تنگ کرتا ہے ۔۔۔" پھر انہوں نے مزید چوپائیاں پڑھنا شروع کیں۔

"دسرتھ کی ہوس ایک جنگل کی مانند تھی جس میں راحت مسرور پرندوں کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ اس جنگل میں بھیل شکارن ۔۔۔ کیکئی ۔۔۔ اپنے الفاظ کے شکرے چھوڑنے والی تھی ۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ مہاراج ۔۔۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھے وچن دیا تھا کہ میں جو بھی فرمائش کروں گی آپ اسے پوری کریں گے ۔۔۔ سورج بنسی راجہ اپنے قول سے نہیں پھرا کرتے ۔۔۔ اب میری ایک آرزو پوری کیجیے ۔۔۔ رام کے بجائے میرے بیٹے بھرت کو گدی پر بٹھائیے اور رام کو چودہ برس کی بن باس دیجیے ۔۔۔"

بچے نے زور سے اپنا ننھا سا ہاتھ مارا اور کتاب پٹ سے بند ہو کر نیچے گر پڑی۔ اماں نے اسے اٹھا کر پڑھنا جاری رکھا۔

"۔۔۔ رام اور لکشمن کے درمیان سیتا اس طرح چل رہی تھی جیسے ذاتِ مطلق اور انسانی روح کے درمیان فریبِ نظر ۔۔۔ گھنے جنگلوں میں رشیوں کے ہجوم رام کے ساتھ ساتھ چلے اور چترکوٹ پہنچ کر مندکینی ندی کے کنارے رام نے قیام کیا۔"

"اماں — بشن سنگھ پوچھ رہا ہے صبح کو کھانا کیا بنے گا—؟" ادما جی جگ نے ڈرائنگ روم سے آواز دی بچہ اب سو چکا تھا۔ اسے ٹوکری میں ڈال کر وہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں گئیں۔ کچھ دیر بعد واپس آکر انہوں نے جھانک کر بچے پر نظر ڈالی اور اپنے بیڈروم میں چلی گئیں۔ ھما اب غسلخانے سے نکل کر چہرے پر کولڈ کریم لگانے کے بعد سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ اسے پھر اماں کی آواز سنائی دی —

"ھما — ادھر آ—"

"جی اماں — اس نے گیلری میں آکر پوچھا۔ اماں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پلنگ پر لیٹ چکی تھیں — "ابھی سے پڑ کر مت سو—" انہوں نے کہا۔

"جی اماں —؟

"میری آنکھوں میں درد ہو رہا ہے — تو تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر مجھے رام نام سُنا"

"بہت اچھا ماں —" ھما نے ایک لمبا سانس بھرا اور کرسی کھینچ کر فرمانبرداری سے بیٹھ گئی۔ "کہاں سے پڑھوں؟"

"کہیں سے پڑھ — بن باس کا قصہ پڑھ —"

"اچھا —"

"کالی گھٹا کے مانند سانولے سلونے رام گوداوری ندی کے کنارے پہنچے تو لکشمن نے کہا — بھیا — مجھے گیان اور بے تعلقی اور فریب مجاز کے متعلق بتلائیے"

"اور آگے چلو—"

"اُفوہ — اچھا — انسویا نے کہا —" یہ پڑھوں؟"

"ہاں یہ پڑھو —" اماں نے آنکھیں بند کر کے آرام سے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

— "انسویا نے کہا — سنو راجکماری — ماں اور باپ اور بھائی سب اپنے دوست اور مددگار ہیں، مگر جو مسرت ان سے حاصل ہوتی ہے محدود ہے — شوہر کی رفاقت

کی مسرت انتہاہ ہے — وہ عورت کمینی ہے جو اپنے شوہر کی عزت نہ کرے. ہمت اصول، دوست اور بیوی — یہ چار چیزیں آڑے وقت پر رکھی جاتی ہیں شوہر اگر بوڑھا ہو یا بیمار یا احمق یا اندھا یا بدمزاج یا سخت مصیبت میں مبتلا — اگر اس سمے بی بی نے اس کی عزت و توقیر نہ کی تو نرکھ میں جلے گی، ویدوں اور پورانوں کے مطابق عورت کے چار درجے ہیں بہترین عورت وہ ہے جو سمجھے کہ اس کے شوہر کے علاوہ دنیا میں اور کوئی مرد نہیں. دوسرے درجے پر وہ عورت ہے جو شوہر کے علاوہ سارے مردوں کو باپ اور بھائی اور بیٹا سمجھے — وہ عورت سب سے کمتر ہے جو محض موقعے کے فقدان کی وجہ سے پاکدامن رہے —"

"اور آگے چلو —"

"— ایک روز راون کی بہن سورپنکھا گوداوری کے کنارے آئی اور اسے دونوں شہزادے نظر آئے، اے گرڑ! عورت خوبصورت مرد کو دیکھ کر اس طرح پگھل جاتی ہے جیسے سورج کے سامنے رینلا پتھر"

"آگے چلو —"

"— جب لکشمن نے طیش میں آکر سورپنکھا کی ناک کاٹ لی —" یہاں سے سناؤں گا —؟"

"ہوں —"

"— تو وہ روتی ہوئی راکھشسوں کے پاس پہنچی اور ان کا سردار دھوم کیتو چودہ ہزار راکھشسوں کی فوج لے کر رام اور لکشمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا

اس سمے جنگل میں گیدڑ چلاتے تھے — بھوتوں، بدروحوں اور مسانوں نے کھوپڑیاں جمع کیں — خونخوار عفریتوں نے ان کھوپڑیوں کے ڈھول بجائے اور چڑیلیں ان کی تال پر ناچیں، سورپنکھا نے اپنے بھائی سے کہا —"

"آگے چلو — جہاں سیتا ہرن ہوتا ہے —"

"ادرست وتنی سیتا نے دیکھا کہ ایک سنہرا ہرن جنگل میں بھاگا جا رہا ہے۔
ناتھ! انہوں نے کہا ___ اس کو شکار کر کے اس کی کھال میرے لیے لا دیجیے ___
رگھوپتی سمجھ گئے کہ یہ ہرن کون ہے اور دیوتاؤں کا مقصد پورا کرنے کیلئے انہوں نے تیر
کمان اٹھائی۔ رگھوپتی نے لکشمن سے کہا ___ بھائی ___ جنگل میں راکھشس گھوم
رہے ہیں۔ دھیان اور فہم اور طاقت کے ذریعے سیتا کی حفاظت کرتے رہنا ___ رام
کو دیکھتے ہی ہرن تیزی سے بھاگا اور رام نے اس کا پیچھا کیا ___ اور بہت دور
نکل گئے ___

جب ہرن رام کے تیر سے گھائل ہو کر گرا تو اس نے ایک فلک شگاف چیخ ماری
اور چیخ کی آواز سنتے ہی سیتا نے گھبرا کر لکشمن سے کہا ___ بھیا ___ تمہارے بھائی پر
کوئی آفت آئی ہے ___ وہ جس کی ابرو کے اشارے سے ساری کائنات تخلیق ہوئی
اس وقت تو خطرے میں گھرا ہے ___ فوراً جاؤ ___ اور لکشمن سراسیمہ ہو کر رام کو
ڈھونڈنے چلے گئے۔

اور راون یوگی کے بھیس میں سیتا کی کٹی پر پہنچا اور انہیں زبردستی اٹھا کر لے
چلا۔ سیتا چیخیں ___ رگھورائے ___ رگھورائے ___ رگھورائے "

ہما کو اب نیند آ رہی تھی، اس نے آنکھیں مل کر اماں کو دیکھا کہ شاید وہ بھی سو
چکی ہوں، مگر وہ اسی طرح بڑی شردھا سے آنکھیں واکیے لیٹی پاؤں ہلا رہی تھیں یہ
چوپائیاں وہ ہزاروں مرتبہ پڑھ چکی تھیں، مگر جانے یہ کیا مصیبت تھی ___ اس نے
جمائی لے کر پھر پڑھنا شروع کیا۔

"راون، نے سیتا کو رتھ پر بٹھالا اور تیزی سے اڑ گیا۔ سیتا شکاری کے چنگل میں
پھنسی ہوئی خوفزدہ ہرنی کی طرح چیختی چلاتی آسمان پر سے گذریں۔ جب انہوں نے
نیچے ایک پہاڑی پر بندروں کو بیٹھے دیکھا تو ہری کا نام لیکر اپنا دوپٹہ ان کی طرف پھینکا

راون نے سیتا کو اپنی راجدھانی میں لے جا کر اشوک کے جنگل میں قید کر دیا ـــــ"

وہ پھر جماہی لینے کے لیے رُکی اور پر امید نظروں سے اماں کو دیکھنے لگی کہ شاید اب وہ بس کرنے کو کہیں۔

"اب ہنومان جی والی چوپائیاں پڑھو ـــــ" انہوں نے آنکھیں بند کئے کئے اطمینان سے فرمائش کی۔

"او۔ کے اماں ـــــ" ہما نے ٹھنڈا سانس لے کر جواب دیا۔

"ـــــ اور بندروں نے لنکا تک پہنچنے کے لیے پُل بنایا اور رگھو راج نے اس پر کھڑے ہو کر سمندر پر نگاہ کی اور مگر مچھ اور سمندر کی ساری مخلوق ان کے درشن کے لیے باہر نکل آئی اور پُل پر اس قدر بھیڑ لگی کہ بندروں کو ہوا میں اڑنا پڑا۔

ـــــ بندروں نے ساحل پر پہنچ کر خوب پھل کھائے ـــــ (ہاؤ سویٹ ـــــ! ہما ہنس پڑی ـــــ ہوں ـــــ اماں نے غصے سے ہنکارا بھرا ـــــ) اور پہاڑوں کے ٹکڑے توڑ توڑ کر لنکا کی طرف پھینکے۔

ـــــ سامنے لنکا تھی ـــــ سونے کے شہر، چوک اور بازار ـــــ اور گلیاں ـــــ اور ہاتھی اور گھوڑے ـــــ اور رتھ اور راکھشسوں کی فوجیں۔ اور جنگل اور پھول بَن اور جھیلیں اور تالاب اور انسانوں اور ناگوں اور گندھروؤں کی خوبصورت بیٹیاں۔ ہنومان نے اس جگہ کی مضبوط قلعہ بندیاں ... دیکھ کر نرسنگھ پر دھیان لگایا اور مچھر کی صورت بن کر لنکا میں داخل ہوئے اور ایک راکھشس نے جس کا نام لنکنی تھا للکار کر کہا ـــــ تم میری بغیر اجازت یہاں کیسے آئے ـــــ اور ہنومان نے اسے ایک گھونسا رسید کیا اور ـــــ"

۱۱

بُینگ ــــ بُینگ ــــ بُینگ ــــ انجنوں کا شور کم ہوا اور ہوائی جہاز بڑی سہولت سے رتنما لنکا ایرپورٹ پر اتر گیا۔ مدراس سے یہاں تک گھر کر بادلوں کی وجہ سے پرواز بہت خراب تھی۔ وہ جہاز سے اتر کر سیدھی انڈین ایر لائنز کے کاونٹر پر گئی اور کولمبو پلان کے دفتر فون کیا ــــ جی نہیں، یہاں تو کوئی مسٹر عرفان نہیں ہیں ــــ شاید کسی دوسری عمارت میں ہوں ــــ ٹھہرئیے معلوم کر کے بتاتا ہوں ــــ آپ گھنٹہ بھر بعد دوبارہ ــــ" اس کا دل دھک سے رہ گیا ــــ اب کیا ہوگا؟

"یو، این کا دفتر کدھر ہے؟" اس نے ٹیکسی والے سے دریافت کیا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی ایک عمارت کے سامنے لے جا کر کھڑی کر دی ــــ اس کے اندر وہ بیٹھا ہو گا ــــ جمیل ــــ اپنے ڈیسک پر اپنے کام میں مصروف ہو گا۔ اگر وہ اس وقت باہر نکل آئے ــــ تو کیا ہو ــــ؟ یکلخت اسے بےحد ڈر لگا اور سیدھی ڈنٹ

لیونیا ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس روز سارے میں بڑی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی جس میں سڑک کے دونوں طرف لگے ہوئے سرخ پھولوں والے گھنے درخت اور ناریل کے جھنڈ اور سمندر کی لہریں ــــ ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ ماونٹ لیونیا کے نیچے ساحل پر انگریز اور امریکن آفتابی غسل میں مصروف تھے۔ فضا پر بڑی عجیب سی کاہلی چھائی ہوئی تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر کچھ دیر بعد اس نے دریچہ کھولا۔ سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سیاہ فام سنہالی آیائیں چند انگریز بچوں کو ریت پر کھلانے میں مصروف تھیں ایک سنہالی عورت بالوں میں پھول اُڑسے ہونگے کے ہار بیچتی دریچے کے نیچے سے گذری۔

"بیڈز[1] میڈم ؟ ــــ ویری نائیس بیڈز ــــ" اس نے اوپر دیکھ کر کہا۔

اس نے دریچہ بند کر دیا۔ اور سنگھار میز کے سامنے آ کر بیٹھ گئی ــــ اب کیا ہوگا ؟

گھنٹے بھر بعد دروازے پر دستک ہوئی اور سفید سیرونگ میں ملبوس بیرے نے اندر آ کر ایک کارڈ پیش کیا ــــ "عرفان احمد"

"اوہ !! ــــ تھینک یو ــــ !!!" بوڑھا سنہالی بیرہ بڑی شفقت سے مسکرایا۔ وہ جلدی جلدی بال درست کر کے نیچے چلی گئی۔

عرفان ٹیرس پر رنگین چھتری کے نیچے بیٹھا کسی سنہالی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے دیکھ

---

[1] BEADS

کر وہ کرسی سے اٹھا۔

"مسٹر رتن سنگھے سُوریہ ــــ مسز ــــ از ــــ ڈاکٹر میر چندانی ــــ" اس نے سنہالی سے تعارف کرایا۔

"مسٹر جے سوریہ یہاں کے ایک بڑے اہم سنہالی اخبار کے ایڈیٹر اور میرے بہت

پرانے دوست ہیں۔"

سیتا نے مسکرا کر ہاتھ جوڑے۔ تینوں بیٹھ گئے ـــــ سیتا نے ذرا بے چینی سے چاروں طرف نظر ڈالی۔ ادھیڑ عمر کے مسٹر جے سوریہ اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے عرفان سے اپنی بات ختم کرنے کے بعد انہوں نے سیتا کو رات کے کھانے پر مدعو کیا اور اجازت چاہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

عرفان نے پہلو بدل کر سگریٹ جلایا۔

"تو آپ تشریف لے آئیں ـــــ"

"جی ہاں ـــــ"

اتنے دنوں بعد یہ بڑی بے رنگ سی ملاقات تھی۔

"تم نے یہ لکھا ہی نہیں کہ اچانک یہاں کیوں نازل ہو رہی ہو۔ میں سمجھا تم بھی کسی سرکاری کام کے لیے آنے والی ہو۔ کولمبو انٹرنیشنل کانفرنسوں کا شہر ہے ـــــ"

"خط میں پوری داستان کیا لکھتی۔ آپ کو تو دھی اچھی طرح معلوم ہے ـــــ"

"واقعہ یہ ہے کہ اب میں سوچتا ہوں کہ مجھے تمہارے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم۔"

اس کا دل ڈوب سا گیا ـــــ دوسرے لمحے اس نے سنبھل کر پوچھا ـــــ "آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں ہوں؟"

"میں بھی یہیں ٹھہرا ہوں ـــــ تم نے یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ کس روز پہنچ رہی ہو بہر حال تمہیں تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی۔"

"جمیل سے ملاقات ہوئی؟"

"جمیل یہیں ہیں؟ تم ان سے ملنے آئی ہو ـــــ؟ بڑی سخت DARK HORSE ہو ـــــ!" اس نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ دفعتاً وہ بڑا مایوس نظر آیا

"آپ کا کیا خیال تھا میں اتنی دور چل کر محض آپ کے درشن کے لیے آئی ہوں

"YOU HAVE HOPES!" ——— سیتا نے ہنس کر جواب دیا۔

یکلخت ماحول کا کھنچاؤ دور ہوگیا ——— وہ بھی خوب ہنسا ——— ہا ہا ہا ———

"آپ ان سے جا کر ملیئے ——— آج ——— ابھی ——— فوراً ——— یو۔این والوں سے معلوم کر لیجیے کہ وہ کہاں ٹھہرے ہیں ———"

"کیا پتہ وہ بھی یہیں ہوں ———!"

وہ سفید پڑ گئی، پھر اس نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ——— "آپ ان سے راہی کے متعلق بات کیجیے اور ان سے کہیئے کہ ایک بار مجھ سے مل لیں ——— صرف ایک بار ———"

وہ اپنی گھبراہٹ چھپانے کیلئے چند لمحوں تک کوٹ کی جیب میں سگریٹ کیس تلاش کرنے کے بعد کہنے لگا ——— "میں ان سے آج تک نہیں ملا ہوں سیتا۔ میری ان سے بے تکلفی کیسے ہو سکتی ہے کہ میں چھوٹتے ہی ان کے خالص نجی معاملے میں اس طرح جا کر ٹانگ اڑاؤں ———"

"مگر آپ نے کہا تھا ———"

"ہاں ——— ہاں ——— بالکل ٹھیک ہے ——— میں ضرور ان سے ملوں گا۔ ابھی کوئی ترکیب سوچتے ہیں۔ تم اس وقت تو ذرا ریلیکس کرو ——— سگریٹ لو ———"

"میں کس طرح ریلیکس کر سکتی ہوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ———" وہ پھر منہ لٹکا کر خاموش ہوگیا۔

سامنے سے بے حد خوب صورت ڈچ یا گرو لڑکیوں کا پرا گزرا۔ ان میں سے ایک لڑکی نیلا فراک اور نیلی پکچر ہیٹ اور سفید دستانوں میں بالکل گینز برو کی پینٹنگ معلوم ہو رہی تھی ——— ہندوستانی ساریوں میں ملبوس سنہالی اور تامل عورتیں، قیمتی سوٹوں میں ملبوس سیاہ فام مرد، سنجیدہ شکلوں والے انگریز، بے فکرے امریکن ادھر

ادھر چل پھر رہے تھے۔ ٹیرس کے نیچے سمندر شور کر رہا تھا۔

"شام کو کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں ——"

"مجھے سوریہ کی پارٹی میں چلو —— گال فلیس ——"

"میں یہاں سوشل ملاقاتوں کے لیے نہیں آئی۔"

"تو کیا جنگل میں بیٹھ کر تپسیا کرو گی؟"

"یہ آدمی بھی کیا بوگس تھا —— اب کیا ہو گا —— اب کیا ہو گا؟

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں کا ارادہ ہے؟"

"جہنم کا ——"

"ارے رے رے —— خفا ہو گئیں —— اتنی جلدی؟"

اب کیا یہ بھی جمیں کا شیرنی اور بلی کے نیچے والا جملہ دہرانے والا تھا ——

او مائی گاڈ ——

وہ ریلنگ پر جھک کر ساحل کی طرف دیکھنے لگی۔ "آپ یہاں سے کب واپس جا رہے ہیں؟"

اس نے چند لمحوں بعد موضوع تبدیل کیا۔

"دس پندرہ دن اور لگیں گے۔"

"واپس لاہور؟"

"نہیں —— میرا تبادلہ پیرس ہو گیا ہے۔ کراچی پہنچ کر اگلے مہینے پیرس روانہ ہو جاؤں گا۔

"ہاؤ ونڈرفل لکی یو ——!"

"پیرس جانا کوئی خاص ونڈرفل بات تو نہیں۔ اور لکی تو میں زندگی میں آج

تک کسی سلسلے میں نہیں رہا۔"

"وہاں کتنے عرصے رہیے گا؟"

"پتہ نہیں فی الحال تو دو سال کے لیے جانا ہے ــــ اچھا اگر تم ڈنر پر نہیں چل رہی ہو تو مجھے اجازت دو مجھے ابھی ذرا کانفرنس کے چند لوگوں سے بھی ملنا ہے۔ میں جلد از جلد بیتی دیو کو پکڑنے کی فکر کرتا ہوں اور پھر انہیں کلٹی ویٹ کرنے کی کوشش کروں گا ــــ تمہاری خاطر ــــ"

"لوگوں کو کلٹی ویٹ کرنا تو آپ کو خوب آتا ہے۔ کوشش کی کیا ضرورت ہے ــــ"

سیتا نے ذرا تلخی سے جواب دیا۔

وہ ہنسا ــــ اچھا اب نفاست ہو ــــ پھر آپ! کل سویرے ہی کانفرنس کا اجلاس ہے۔ اگر موقع ملا تو فون کروں گا۔ تم بریک فاسٹ کے لیے نیچے آؤ گی!"

"جی نہیں۔"

"اچھا تو میں کانفرنس میں جانے سے پہلے فون کروں گا ــــ گڈ نائیٹ ــــ"

"گڈ نائیٹ۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ٹیرس سے اتر کر باہر چلا گیا۔ وہ ریلنگ پر سر رکھ کر سمندر کو دیکھتی رہی جہاں سورج ڈوب رہا تھا اور کنارے پر وکینی میں ملبوس ایک انگریز عورت قہقہے لگاتی آگے آگے بھاگ رہی تھی اور ایک موٹا انگریز ہانپتا ہانپتا ریت پر اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

دوسرے روز وہ شہر کا چکر لگا کر سہ پہر کے قریب لوٹی تو ریسپشن کاؤنٹر پر اس کے نام عرفان کا پرچہ رکھا تھا ــــ "مجھے اس نمبر پر فون کر لو ــــ بے حد ضروری بات ہے ــــ"

اس نے اپنے کمرے میں جا کر دھڑکتے دل کے ساتھ فون کیا۔

عرفان اپنے کمرے سے بول رہا تھا ــــ "بھئی سینا ــــ سنو ــــ گھبرانا مت ــــ کل رات بڑا قصہ ہو گیا، جے سوریہ کے ڈنر میں جمیل صاحب بھی آئے تھے بہت دیر تک ان سے تعارف نہ ہو سکا وہ دور ایک کونے میں بیٹھے مے نوشی میں معروف تھے اس کے بعد پارٹی میں شامل ہو گئے مگر کسی سے ایک لفظ بات نہیں کی ــــ جے سوریہ نے مجھے بتایا کہ وہ کل سے بیحد ڈیپریسیڈ ہیں، کیونکہ انہیں اطلاع ملی ہے کہ ان کی بیوی ایک پاکستانی کے ساتھ بھاگ آئی ہے اور ماؤنٹ لیوینیا میں ٹھہری ہے اور سینا ان کی خفگی اور سنجیدگی حق بجانب ہے ــــ یہ واقعہ بھی ہے ــــ"

"جی ــــ؟"

"یہ واقعہ بھی ہے کہ تم ماؤنٹ لیوینیا میں ٹھہری ہو! ــــ ہاہاہا ــــ اچھا اب بھلا یہ معلوم ہونے کے بعد میں ان سے کیا بات کرتا میں تو ڈنر ختم ہونے سے پہلے ہی کان دبا کر بھاگ آیا۔"

"آپ اتنے۔ اتنے ڈرپوک نکلے ــــ"

وہ پھر ہنسا ــــ "ارے بھائی میں مذاق کر رہا ہوں، اب ایک دم یہ کوئی آغا حشر کا ڈرامہ تو ہو نہیں رہا ہے کہ میں ان کے سامنے ڈائیلاگ بولنا شروع کر دوں ــــ توفیق کس حال میں ہے اور شیر لوسے کے حال میں ہے۔ ذرا ایک دو دن میں موقع محل تلاش کر کے ان سے بات کروں گا۔ آدمی کافی ٹیڑھے معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے باقی خاندان والوں سے بالکل مختلف، کل شام ٹیرس پر مجھے تم سے باتیں کرتا دیکھ کر ڈھیر بہت سے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کون پری زاد تھی جس کے ساتھ آپ چائے پی رہے تھے ــــ وغیرہ ــــ تم جانتی ہو گوسپ کی عادت انسانی فطرت میں داخل ہے، اسے بدلا نہیں جا سکتا ــــ اب تو کانفرنس میں جا رہا ہوں۔ شام کو اگر کہو تو تمہارے کمرے میں آکر ساری رپورٹ دوں نیچے پبلک میں تم سے ملنا ذرا مخدوش ہے۔"

"جی نہیں، رات کو دس بجے کے بعد فون کر لیجئے گا۔"

"اچھا ــــــ"

رات کو اس کا فون نہیں آیا۔ تیسرے دن وہ سیڑھیاں اتر کر باغ میں جا رہی تھی۔ جب ہال کی طرف سے آتا ہوا وہ مل گیا۔ "بھائی سیتا مجھے معاف کرنا" اس نے جلدی جلدی کہا "میں رات پھر بہت دیر میں واپس آیا۔ سنو ــــــ ادھر آؤ ــــــ آج میں لنچ پر جمیل صاحب سے ملاقات کر رہا ہوں" ــــــ وہ ایک گل مہر کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ سنو ــــــ یہاں پر ایک جگہ سان مشیل[1] ہے۔ جھیل کے اندر ایک جزیرہ ہے جہاں ایک رسیٹوران ہے۔ میں شام کو وہاں آجاؤں گا۔ تم بھی تشریف لے آؤ۔ ساری رپورٹ گوش گذار

---

[1] SAN MICHAEL

کر دوں گا۔"

"وہاں تو کوئی ہندوستانی پاکستانی نہیں ملیں گے؟" اس نے ذرا خائف ہو کر پوچھا

"میرے خیال میں تو کوئی ہندوستانی پاکستانی اتنی دور نہیں جائے گا۔ شام کا وقت زیادہ تر لوگ شہر کے نائیٹ کلبوں میں گذارنا زیادہ پسند کرتے ہیں ــــــ اچھا تم چھ بجے وہاں ضرور پہنچ جانا"

"اکیلی ــــــ؟"

"ارے ساری دنیا گھوم چکی ہو۔ وہاں اکیلی نہیں پہنچ سکتی حد ہے ــــــ!"

"اچھا ــــــ اچھا ــــــ" سیتا نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ تیزی سے روش پر سے گذرتا ڈھلوان پر اتر گیا۔

ٹیکسی کولمبو کے مضافات سے نکل کر سیدھی سڑک پر روانہ ہو گئی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درختوں کے گھنے جھنڈ تھے۔ اور جنگل کے اندر پہنچ کر بل کھاتے ہوئے

رستوں سے گذرتی جھیل کے کنارے جا رکی، درختوں کے نیچے دو تین موٹریں کھڑی تھیں، وہ اتر کر لکڑی کے بوٹ ہاؤس میں گئی۔ اسے دیکھ کر کشتی والے نے موٹر بوٹ سیڑھیوں سے لگا دی۔ پھونس کی چھت والے اس سنسان بوٹ ہاؤس میں جلتی ہوئی سرخ لالٹین بڑی پراسرار سی معلوم ہوئی۔ اتنے میں تین چار لوگ اور آگئے اور سب کشتی میں جا بیٹھے۔ وہ تامل مرد اور عورتیں تھے، اور سب بڑے چپ چاپ بیٹھے تھے بوٹ نے گھڑ گھڑ کرتے ہوئے پانی پر چلنا شروع کر دیا جھیل پر مکمل خاموشی طاری تھی۔ دور کناروں پر ناریل اور چنار کے جھرمٹ کھڑے تھے آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ جھیل کے وسط میں سان مشیل کے ٹاپو پر روشنیاں جل رہی تھیں، کچھ دیر بعد بوٹ گھاٹ سے جا لگی، وہ لکڑی کا طویل کوریڈور طے کرکے ریسٹوران کی طرف گئی، روش کے اوپر دو رویہ جاپانی قندیلیں جل رہی تھیں۔ اندر ریسٹوران میں چند سنہالی کیتھولک لڑکیاں اور لڑکے رقص میں مصروف تھے برآمدوں میں اِکا دُکا لوگ کھڑے تھے، بڑا اداس اور ڈیپریسنگ ماحول تھا، آرکیسٹرا انیتا برانیٹ کا اداس سا نغمہ بجا رہا تھا اور ایک ڈچ برگر لڑکی مائیکروفون کے سامنے کھڑی گا رہی تھی۔

O. COME ALONG WITH ME

TO MY LITTLE CORNER OF THE WORLD

AND DREAM A LITTLE DREAM

IN MY LITTLE CORNER OF THE WORLD

اس نے چاروں طرف دیکھا۔ عرفان کہیں نہیں تھا، وہ سیڑھیاں اتر کر جزیرے کے دوسرے کنارے کی طرف گئی جہاں ایک چوبی پویلین جو جھیل کے عین وسط میں لکڑی کے کھمبوں پر ایستادہ تھا، ایک چھوٹے سے پُل کے ذریعہ جزیرے سے ملحق تھا وہ اس پویلین میں داخل ہوئی۔ یہ بھی سنسان پڑا تھا، ایک سرے پر کوئی سنہالی جوڑا ریلنگ سے ٹکا پانی کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اب سورج ڈوب چکا تھا جھیل

کا پانی قرمزی ہو چکا تھا، چند لمحوں میں یہ سرخی رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئی
"سیتا!"
اس نے مڑ کر دیکھا۔
عرفان کونے کی میز پر سے اٹھ کر آیا۔ "تم نے دیکھا نہیں میں اس طرف بیٹھا تھا۔"
وہ ریلنگ کے برابر بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سیتا جھک کر لہروں کو دیکھنے لگی۔ "کتنی خوب صورت جگہ ہے یہ۔"
"ہاں، ہاں، خوبصورت تو ہے مگر اب کام کی بات سنو۔"
"فرمائیے۔" سیتا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، وہ بہت "بزنس لائک" نظر آنے کی کوشش میں مصروف تھا —— دور رقص گاہ میں لڑکی کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر گونج رہی تھی۔

YOU WILL SOON FORGET THAT THERE IS
ANY OTHER PLACE
AND IF YOU CARE TO STAY INMY LITTLE
CORNER OF THE WORLD
THEN WE CAN HIDE AWAY IN MY LITTLE CORNR
OF THE WORLD.

"کل سے آج تک بہت سے واقعات ہو گئے۔" عرفان نے سگریٹ جلا کر جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "ایک تو یہ کہ یہ بات کافی پھیل گئی کہ تم یہاں آئی ہوئی ہو اور بڑی عجیب سی بات ہے کہ تم اور تمہارے صاحب بہادر دونوں اسی شہر میں موجود ہیں۔ اور لوگ باگ جانے کیوں مجھے رقیبِ روسیاہ سمجھنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ تو اچھا خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔ تم نے پہلے اس کے متعلق کیوں نہیں سوچا؟ اب کانفرنس کے بعد شام کی

محفلوں میں لوگوں کو یہ بے حد عمدہ گوسپ ہاتھ آگئی ہے اور انڈو پاکستان جھگڑوں کے پیشِ نظر یہ صورتِ حال اور بھی زیادہ تشویشناک ہے چند حضرات کو یہ یقین کامل ہے کہ میں جمیلی کی بی بی کو اڑا لایا ہوں اور اسے ماؤنٹ آبو نیا میں چھپا رکھا ہے آج ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میاں پریشان کیوں ہوتے ہو دوسرے کی بی بی اغواء کرنا خالہ جی کا گھر نہیں "۔

سیتا نے ایک جھرجھری سی لی "اب کیا ہو گا ؟"

وہ ہنسا " ہو گا کیا انڈو پاکستان تعلقات مزید خراب ہوں گے ممکن ہے کوئی کرائسس بھی ہو جائے جس پر ہمارے وزیر خارجہ کا بیان شائع ہو گا ۔ تمہارے یہاں لوک سبھا میں سوالات کئے جائیں گے ۔ اخباروں میں دھڑا دھڑ خبریں چھپیں گی ۔ دیکھتی جاؤ ، ابھی تو ابتدائے عشق ہے بھائی ——"

" آپ کسی وقت بھی مذاق سے باز نہیں آتے ۔ پر بتائیے اب میں کیا کروں ؟"

" میں پوچھتا ہوں تم یہاں آئی کیوں ؟ اگر جمیلی سے ملنا تھا تو امریکہ چلی جاتیں "۔

" امریکہ چلی جاتی اور وہاں تک جانے کا کرایہ آپ دے دیتے "۔ اس نے غصے سے کہا ۔

آج لنچ پر جمیلی صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی ، وہ حضرات آئے ہی نہیں ۔ چنانچہ تیسرے پہر کو بقول شخصے سر پہ کفن باندھ کر جے سوریہ کے ہمراہ گال فیس گیا جہاں موصوف قیام فرما ہیں ، بھائی اپنے کمرے میں قلعہ بند حسبِ معمول مے نوشی میں مصروف تھے ۔ میں نے جے سوریہ کو اندر بھیج کر کہلوایا اس سارے قصّے کی تشریح کر کے ان کی یہ خوفناک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں جے سوریہ جواب لایا کہ عرفان صاحب سے کہہ دینا کہ قمرالاسلام چودھری کی جیسی ٹھکائی میں نے نیو یارک میں کی تھی ، وہ آج تک نہیں بھولا ہو گا ۔ لہٰذا اگر اپنی جان کی خیر مناتے ہو تو میرے سامنے نہ آنا ——"

پویلین میں ہوا کا خنک جھونکا داخل ہوا، جس سے سیتا کے بال اُڑنے لگے اس نے اپنی سیاہ لٹیں سمیٹ کر سر ڈھانپ لیا۔

"تمہیں پتہ ہے —" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا "تم اپنی کشتیاں جلا چکی ہو۔ قمر کا قصہ تو جو تھا سو تھا جمیل کو پروجیکشن چودھری کی خبریں بھی پہنچ چکی ہیں۔"

وہ سفید پڑ گئی۔

"آپ کو کس نے بتایا —؟"

"مجھے برابر تمہارا خیال رہتا ہے اور اگر تم برا نہ مانو — کیونکہ تم ADULT بننے کی کوشش بہت کرتی ہو مگر ہو نہیں — کہ تمہیں یہ بھی خوب معلوم ہے کہ مجھے تم میں کافی دلچسپی ہے۔ غالباً تم اس کا مداوا نہیں کر سکتیں کہ لوگ تم میں اوبدا کے دلچسپی لیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی حد تک تم بھی ان کا دل نہیں توڑنا چاہتیں۔"

"آپ نے اس وقت یہ اسقدر ذلیل اور کمینی بات کہی ہے کہ میں اس کا جواب نہیں دینا چاہتی۔ میں آپ کو اپنا دوست سمجھ کر کولمبو آئی تھی —"

"دوست —؟ دوستی کیا بلا ہے —؟ ڈیم —"

شام کے گہرے سناٹے میں جزیرے سے آتی ہوئی موسیقی اب بہت صاف سنائی دینے لگی۔ رقص گاہ کے اندر لڑکی وہی گانا دوبارہ گا رہی تھی۔

I ALWAYS KNEW, I'D FIND SOME ONE LIKE YOU

SO WELCOME TO MY LITTLE CORNER OF

THE WORLD

وہ یکلخت اٹھ کھڑا ہوا — "اب رات کافی ہو گئی ہے۔ کولمبو واپس جاؤ۔ تم پہلی کشتی سے واپس کنارے پر چلی جاؤ میں بعد میں آجاؤں گا۔ کیا پتہ واقعی ریسٹوران میں کوئی مجھے یا تمہیں پہچان لے۔ رات پڑے یہاں مجمع زیادہ ہو جاتا ہے — گڈ

نائیٹ ـــ"

وہ اسے پولیلین کے چوبی ٹپ تک پہنچانے بھی نہیں آیا، وہ روشی پر آئی گھاٹ کی سمت جانے کیلئے رقص گاہ کے راستے پر سے گذری تو ریسٹوران کے سنہالی مینجر نے جو ڈی جے رپہنے بالکل پنگوئن لگ رہا تھا سامنے آکر اس سے کہا "مس ـــ! آپ بہت جلدی واپس جارہی ہیں، ڈنر کے لیے نہیں ٹھہریئے گا ـــ؟" قریب سے گذرتی ہوئی دو تامل خواتین نے اسے غور سے دیکھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کوریڈور تک پہنچی، کوریڈور کے سرے پر ایک اور سنہالی ریلنگ پر جھکا کھڑا تھا۔ رات کے آسمان کی وسعت اور سناٹے کے مقابل میں ان کا سہلوٹ بہت المناک اور بے بس سا معلوم ہوا، انکے سر کے اوپر ایک سرخ اور سبز جاپانی قندیل جل رہی تھی، چاروں کھونٹ بے پایاں تنہائی تھی"

گھاٹ سے اتر کر وہ موٹر بوٹ میں بیٹھ گئی، اندر روسی سفارت خانے کے چند مرد اور عورتیں بیٹھے تھے۔ اسجگہ کا سحر ایسا تھا کہ شاید بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا کہ یہ سحر ٹوٹ نہ جائے۔

دوسرے روز عرفان اسے لاؤنج میں ملا "میں نے آج پھر سلسلہ جنبانی کی کوشش کی تھی مگر وہ ملاقات پر تیار نہیں ہیں لاحول ولاقوۃ تم نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو مصیبت میں پھنسایا، میرا خیال تھا ہم تینوں متمدن افراد ہیں اور اسی سطح پر یہ خالص HUMAN معاملہ آپ کے صلاح مشورے سے طے ہو سکے گا ـــ"

"پھر تم نے اڈنگ ٹرنگ اڑانا شروع کیا" عرفان نے چڑ کر جواب دیا۔ "میں اگلے چھ دن تک کانفرنس کے کام میں بیحد مصروف رہوں گا، تم یہاں اتنا وقت بیکار کیسے گذارو گی، بہتر یہ ہے کہ اسکینڈل کا ذ... کم کرنے کیلئے کم از کم ہفتہ بھر کیلئے

کینڈی وغیرہ چلی جاؤ، اگلے منگل سے مجھے فرصت ہے اس کے بعد ہم بیٹھ کر کچھ سوچ سکیں گے۔"

"مگر جمیل ——"

ان کی فکر نہ کرو ——— وہ بھی ابھی ہفتہ دس دن اور ٹھہر رہے ہیں لیکن تم اب خدا کے لیے یہاں سے رفو چکر ہو ——— کسی امریکن ٹورسٹ بڑھیا کو ہمراہ لے لو۔ ہوٹل ان سے بھرا ہوا ہے دو ساتھ ہو جائے گی اور تم جی بھر کر ان کی معلومات عامہ میں اضافہ کرتی رہنا۔"

"اچھا ——" اس نے ایک بار پھر فرمانبرداری سے جواب دیا۔

"میں امریکن ایکسپریس سے بات کر کے ابھی تمہارے لئے بہت صحیح فرسٹ کلاس ٹور کا انتظام کروائے دیتا ہوں ——" اس نے کاونٹر پر جا کر ٹیلی فون کا رسیور اٹھایا۔

۱۲

سوا چھ فٹ اونچے اور نیلی آنکھوں اور سرخی مائل زرد بالوں والے ڈاکٹر لزلی ونسنیٹ مارش نے ریسٹ ہاؤس کی برساتی میں پہنچ کر کار روک لی اور ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا کہ شاید وہ سبز رنگ کی ہل مین جس میں وہ خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی، اسی طرف آتی ہو۔ وہ کولمبو کے مضافات سے لے کر یہاں تک اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ بھی اس ریسٹ ہاؤس پر آ کر ٹھہر جائے گی مگر جنگل کے درمیان سے گذرنے والی بل کھاتی ہوئی سرمئی سڑک سنسان پڑی تھی۔ وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آیا بیرے نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے لا کر رکھی۔ اس نے سیاہ قہوے کی ایک پیالی ختم کرنے کے بعد ٹائپ رائیٹر کھولا اور مضمون ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ "جنوبی ایشیا میں کمیونزم کا اثر" اپنی کتاب کا دوسرا باب اسے جلد از جلد مکمل کر کے رسالے کے ایڈیٹر کو ہارورڈ بھیجنا

تھا، اور وقت بہت کم تھا۔ اُسے ابھی یہاں سے مغربی بنگال اور آندھرا اور کیرالا بھی جانا تھا۔

برآمدے میں اِکا دکا یورپین ٹورسٹ بیئر کا گلاس سامنے رکھے چپ چاپ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ باغ میں سرخ پھول کھلے تھے، آسمان بہت شفاف اور نیلا تھا۔ اس نے سامنے کے پرسکون منظر کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور دوبارہ ٹائپ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

گھنٹے سہ پہر بعد وہ ایک بار پھر خاموش سرمئی سڑک پر رواں تھا جس کے دونوں طرف ربڑ کے گھنے جھرمٹ تھے اور الائچی کی جھاڑیوں پر زرد تتلیاں اڑ رہی تھیں ——"

کردینگالہ میں ہاتھی کی شکل کی مہیب سیاہ چٹان افق پر نمودار ہوئی یہاں سے چڑھائی شروع ہوتی تھی۔ دور دور تک پام کے جھنڈ ہوا میں سرسرا رہے تھے، ایک چھوٹے سے قصبے کے خوبصورت بازار میں سے گذرتے ہوئے اچانک اُسے وہ سبز کار دوبارہ دکھائی دے گئی۔ کچھ دیر تک وہ آگے آگے جاتی رہی۔ اور ایک گاؤں میں پھلوں کی دوکان کے سامنے رک کر پھر پیچھے رہ گئی۔

لزلی مارشل کو خود ہی ہنسی آ گئی۔ وہ یہ کیا مسخرہ پن کر رہا تھا۔ اگر اس لڑکی نے پیچھے پلٹ کر دیکھ لیا تو یہی سمجھے گی کہ کوئی دوسرا ٹورسٹ پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔

گاؤں کے راستوں کے کنارے لگی ہوئی رنگ برنگی کاغذی چرخیاں ہوا میں تیزی سے گھوم رہی تھیں کہیں کہیں بدھ مندروں کے پھاٹکوں پر سفید جھنڈے لگے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں کے پروہت کا دیہانت ہو گیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں پرتگالی اور ولندیزی عہد میں بنے ہوئے کیتھولک چرچ چھپے کھڑے تھے۔ خوبصورت کاٹجوں کی کھڑکیاں میں پردے لہرا رہے تھے،

کچھ دیر بعد منظر تبدیل ہونا شروع ہوا اور مرمر کے رنگ کی پہاڑیاں حدِ نظر تک پھیلتی چلی گئیں۔

پولونروا میں پراکرم سمندر کے کنارے ریسٹ ہاؤس پر پہنچ کر اس نے متوقع نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا، وہ یہاں بھی نہیں تھی۔

کمرے میں جاکر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور لنچ کا آرڈر دینے کے بعد باہر آکر شیشے کی لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ لاؤنج کے تین طرف پراکرم سمندر لہریں مار رہا تھا۔ اندر میزوں پر بڑے بڑے زرد پھول گلدانوں میں جگمگا رہے تھے۔۔۔ دریچوں کے قریب تین چار امریکن اور یورپین سیاح عورتیں قہوہ پیتے ہوئے آہستہ آہستہ باتوں میں مصروف تھیں۔ سائے کی طرح سود بانہ چلتے ہوئے سنہالی بیرے ان کی خاطر کرنے میں جٹے تھے،

ڈائننگ ہال میں ٹورسٹ ڈیپارٹمنٹ کی ایک لڑکی نے مسکرا کر اسے نمستے کیا۔

پولونروا کے کھنڈر دیکھنے میں کتنی دیر لگے گی؟ اس نے دریافت کیا۔

یہ اس پر منحصر ہے کہ آپ کو ان سے کتنی دلچسپی ہے۔ لڑکی نے بڑے اخلاق سے جواب دیا۔

"میں آرکیالوجسٹ ہوں۔"

"اوہ تب تو آپ کو انورادھا پورہ بھی ضرور جانا چاہیے!"

"افسوس ہے کہ اس مرتبہ میں انورادھا پورہ نہیں جا سکتا۔ آرکیالوجی میری ہوبی ہے مگر میں ان دنوں میں ایک بالکل مختلف موضوع پر کتاب لکھنے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ تم کسی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتی ہو تو مجھے کچھ باتیں بتاؤ۔" اس نے کھڑے ہو کر دوسری کرسی میز کے قریب کھسکاتے ہوئے کہا "تم تامل ہو یا سنہالی؟"

"تامل ورگر میں کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتی ہیں سرکاری ملازم ہوں معاف کیجیے گا۔ مجھے اسی وقت کولمبو واپس جانا ہے۔" لڑکی نے مسکرا کر جواب دیا اور نمستے کر کے آگے چلی گئی۔

کھانا ختم کر کے وہ باہر آیا۔ برآمدے میں سری لنکا اور پولونروا کا نقشہ اور پراکرم باہو اوّل کا فرمان فریم میں آویزاں تھا۔ "بارش کا تھوڑا سا پانی بھی انسان کے کام آئے بغیر سمندر تک نہ بہنا چاہیے — پراکرم باہو۔"

اس نے جنوبی ایشیا میں کمیونزم کا مسودہ بند کر کے پورٹ فولیو میں سے دوسرا مسودہ نکالا اور نقشے کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھ کر جلدی جلدی نوٹ لینے شروع کیے۔

عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے ہندوستان کے پرنس وجے نے لنکا پر حملہ کیا۔ اس کے ہمراہ آئے ہوئے لوگ جو مگدھی نسل کے تھے سنہالی کہلائے اور ان کی مناسبت سے یہ جزیرہ سنہلدیپ کہلایا یعنی شیروں کا جزیرہ۔ پرنس وجے نے لنکا کی شہزادی سے شادی کر لی تھی۔ لنکا کے قدیم باشندے "(PRE DRAVADIA ASTROLOIDS) — تھے — چھوٹا ناگپور کے علاقے سے چل کر یہ نسل ملایا جاوا اور آسٹریلیا تک پھیل گئی۔ لنکا میں ان لوگوں کی راجدھانی کا نام لنکا پورہ تھا۔ غالباً اسی کو ہندوؤں کی قدیم ایپک رامائن میں شمالی ہند کے آریوں نے اپنی نسلی برتری کے احساس کی بنا پر سیاہ فام راکھشسوں کی قوم کہا ہے (ایشیا میں نسل و رنگ کا امتیاز — مشرق کی کلر بار — اس مسئلے پر مجھے مزید کام کرنا پڑے گا۔ اس نے حاشیہ پر لکھا۔ اور کیپل سگریٹ جلا کر پراکرم سمدر کی موجوں کو دیکھنے لگا۔ اس کاسنی ساری والی لڑکی کا خیال دماغ سے نکال کر چند لمحوں بعد اس نے دوبارہ لکھنا شروع کیا۔) سیلون کے موجودہ جنگلی قبائل جو اڑیسہ کے جنگلی قبائل

سے بہت مشابہت رکھتے ہیں، ویدہ کہلاتے ہیں اور ان ہی اور یجبل باشندوں کی اولاد ہیں۔

٭ سنہالی بادشاہ اکیس صدیوں تک اس جزیرے پر حکمراں رہے۔ انورادھاپو ان کا دارالسلطنت تھا۔ اشوک کا بیٹا شہزادہ مہندر پہلا بدھسٹ مشنری تھا جس نے انورادھاپورہ آکر سنہالی بادشاہ دیونام پیا تِسا کو بدھ مت میں داخل کیا۔ شہنشاہ سمدر گپت کے الہ آباد ستون پر لکھا ہے کہ من فرماں رواؤں نے اس سے گذارش کی کہ گپتا حکومت کے چارٹر کے ذریعہ انہیں اپنے علاقوں میں رہنے دیا جائے ان میں سنہالا کے لوگ بھی شامل ہیں بائبل میں جنوبی لنکا کے ساحلی شہر تارشش یا گال کا ذکر ہے جہاں سے ملکہ بلقیس اور سلیمان کے لیے مور اور ہیرے ایکسپورٹ کئے جاتے تھے۔

٭ آٹھویں صدی عیسوی تک لنکا شمالی ہند کی موریہ اور گپتا کلچر سے متاثر رہا اور نویں صدی سے جنوبی ہند کے سیاسی اور تہذیبی حلقہ اثر میں داخل ہو گیا دیکھئے کرشنا کے پچھم میں اس وقت چولا اور پانڈیہ اور کیرالا کی بادشاہتیں قائم تھیں۔ لنکا کے تخت کے مختلف دعویدار اپنی خانہ جنگیوں کے دوران اکثر ان بادشاہوں سے مدد مانگتے تھے، گیارہویں صدی میں چولا لوگوں نے انورادھاپورہ کی بادشاہت کو شکست دے کر ــــ جزیرے کے بیشتر حصے کو چولا سلطنت میں شامل کر لیا اور پولونرُوا کو اپنی راجدھانی بنایا مگر اسی صدی میں سنہالی بادشاہ پراکرم باہو اول نے جنوبی ہند کے تسلط سے آزاد ہو کر دوبارہ اپنی سلطنت قائم کی۔

لنکا کا پایہ تخت انورادھاپورہ تیرہ سو سال تک آباد رہا ــ یہ روم اور قرطاجنہ اور ایتھنز سے زیادہ لمبی مدت ہے ــــ اور پھر جنگل اُسے کھا گیا۔

پولونروا اور لنکا کے عظیم ترین بادشاہ پراکرم باہو اول کے عہد میں اپنے

عروج تک پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے شاندار تھیٹر ہال، محلات، تصویر خانے، ستوپ اور مندر تعمیر کروائے۔ اس نے سارے جزیرے میں آبپاشی کا ایسا زبردست اور حیرت انگیز انتظام کیا کہ دور دراز کشمیر کے فرماں رواں یہاں سے انجینیر منگواتے تھے — کولمبو پلان اس وقت ہی شروع ہو گیا تھا — لیزلی مارش نے دل میں کہا —

پراکرم باہو نے یہ عظیم الشان مصنوعی سمندر تیار کروایا۔ لکھتے لکھتے اس نے سمندر کی طرف دیکھا اور پھر سامنے لگے ہوئے فرمان پر نظر ڈالی "بارش کا تھوڑا سا پانی بھی انسان کے کام آئے بغیر سمندر تک نہ بہنا چاہیے۔

اس کے بعد زوال آیا۔ لیزلی مارش نے لکھنا جاری رکھا۔ اور رفتہ رفتہ اگلی صدیوں میں پولونروا ہی جنگل کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں ڈوب گیا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ اب چلنا چاہیے ورنہ رات تک سگریہ نہیں پہنچا جا سکتا۔ کتابیں اور کاغذات سمیٹ کر اس نے پورٹ فولیو میں رکھے اور ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلا چند قدم پر پراکرم باہو کا عظیم الشان مجسمہ ایک نیچے سے ٹیلے پر کھڑا تھا — اس مجسمے کو سنہالی سنگتراشوں نے نو سو برس پہلے بنایا تھا۔ اس کے سائے میں کھڑے ہو کر لیزلی مارش نے خود کو بے حد حقیر محسوس کیا — میں کون ہوں — دور دراز نیو انگلینڈ سے آیا ہوا لیزلی ونسنٹ مارش۔ — جو اس وقت بزعم خود مشرق کو تہذیب سکھانے نکلا ہے — جو سمجھتا ہے کہ مشرق کے سارے دکھوں کا علاج صرف اس کے پاس ہے، مشرق کو اپنے دکھوں کا خود ہی مداوا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

مجسمے کے قریب بے حد بکھرے بالوں اور سیاہ رنگ کا ایک نوجوان دبلا کھڑا دانت نکوس رہا تھا اور غالباً اس سے بخشش کا طالب تھا۔ اُسے

ایسا لگا جیسے یہ دیدہ ان قدیم جنگلوں، ان سر سبز پہاڑیوں، اس لہریں مارتی نیلی جھیل، اس سنگِ سرخ کے مہیب مجسمے کی روح ہے جو آج کی متمدن دنیا کے تاریک لاشعور میں سے دفعتاً نمودار ہو کر اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔

کیمرہ سنبھال کر وہ ٹیلوں پر سے اترتا سایئں سایئں کرتے اونچے درختوں کے جنگل میں داخل ہوا جہاں سنگِ سرخ کے کھنڈر چاروں طرف دور دور تک بکھرے ہوئے تھے،

منقش ستونوں والے پویلین کے موں اسٹون پر بیٹھ کر وہ اپنا کیمرہ فوکس کر رہا تھا جب اسے اچانک وہ نظر آ گئی، وہ دوسری طرف سے سیڑھیاں اتر کر پراکرم باہو کے "پچاس کمروں والے محل کی سمت جا رہی تھی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ گھاس پر بکھری ہوئی زرد پتیوں پر اس کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ پیچھے مڑی۔

"ہائی ۔۔۔" لزلی مارش نے مسکرا کر کہا۔

"ہائی ۔۔۔!" جواباً وہ بھی مسکرائی۔

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ "یہ اس قدر خوبصورت جزیرہ ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔" اس نے بات شروع کی۔

"ہاں" کاسنی ساری والی لڑکی نے جواب دیا۔ "ہماری مقدس کتاب رامائن میں لکھا ہے کہ سبز اور سنہرا لنکا اس قدر دلفریب تھا جیسے آکاش پر باغ لگا ہو۔"

"کتنا حسین طرزِ تعمیر ہے یہ ۔۔۔" لزلی مارش نے محل کو دیکھتے ہوئے ٹھٹک کر کہا۔ "میں جب بھی ایشیا آتا ہوں اپنے آپ کو بے حد حقیر محسوس کرتا ہوں۔" تم نے جنوبی ہند کے مندر دیکھے ہیں؟"

"ہاں ۔۔۔ تم بھی ہندوستانی ہو نا؟"

"ہاں ___ وہ دیکھو "سات محل دیہار" ___ اسے رانی رُوپ وتی نے بنایا تھا ___ میں نے ابھی گائیڈ بک میں پڑھا۔

"میرا نام ڈاکٹر لزلی ونسنٹ مارش ہے۔ میں ہارورڈ سے آیا ہوں"۔

"میں ڈاکٹر سمیر چنڈانی ہوں میں نے ۱۹۵۸ء تک کولمبیا میں پڑھا ہے"۔

"مس میر چنڈانی یا مسز میر چنڈانی ___؟

"میر چنڈانی میرا میڈن نام ہے"۔

"تمہیں معلوم ہے میں کولمبو سے لے کر یہاں تک تمہارا تعاقب کرتا آیا ہوں تم نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"ہارورڈ کے لوگ تو بہت سنجیدہ اور معقولیت پسند مشہور ہیں۔

"ہا ہا ہا ___ تم کولمبیا میں انگلش ڈیپارٹمنٹ کے ڈاکٹر ایڈورڈ مارش کو جانتی ہو؟ وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔

کھنڈروں کے چکر لگاتے ہوئے انہوں نے امریکہ کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اسی پس منظر سے نکل کر آیا تھا۔ جس میں وہ خود اتنے عرصے رہی تھی۔ اور جہاں اس نے اپنی زندگی کا بہترین وقت گذارا تھا۔ شاید اسی لیے اس اجنبی امریکن سے اس نے ایک عجیب سی یگانگت محسوس کی۔

انتھروپولوجی اور آرکیالوجی میرے محبوب مضمون ہیں لیکن یونیورسٹی میں پولیٹکل سائنس پڑھاتا ہوں۔ آج کل ایک کتاب لکھنے کی غرض سے یہاں آیا ہوں ___ تم بھی ___ کتاب لکھنے آئی ہو؟"

"نہیں تو ___ وہ دیکھو ___" اس نے جلدی سے گائڈ بک کھولی ___ وہ رانیوں کے نہانے کے لیے کنول کی شکل کا تالاب ___ یہاں لکھا ہے کہ زمین دوز نالی کے ذریعہ پراکرم سمدر سے پانی لا کر اس میں بھرا جاتا تھا

وہ سارے میں گھومتے پھرے ۔ لنکا تلک مندر — جیت وَن دیہار —
رانی روپ وتی کا بنایا ہوا ستوپ — پراکرم باہو کی ملکہ سبھدرا کا بنایا ہوا
کیری دیہار — جنوبی ہند کی طرز کے ٹوٹے پھوٹے شیو دیوالے ۔ اینٹوں
سے بنایا ہوا بے تحاشا اونچا گوتم بدھ جو بیدھا کھڑا تھا اور جس کے گوتھک
وضع کے مندر کی چھت گر چکی تھی گھاس پر سرمئی چٹانوں کے درمیان لیٹا ہوا
گوتم بدھ جسے پری نروان حاصل ہو چکا تھا اور جس کے سرہانے آنند ہاتھ باندھے
اپنے آقا کی موت پر اُداس کھڑا تھا — ایک دیہیع دعریض چبوترے پر پدم
آسن میں بیٹھا ہوا گوتم بدھ جس کے سامنے درختوں پر پجاریوں نے اپنی اپنی مرادیں
حاصل کرنے کے لیے سفید کترنیں باندھ رکھی تھیں ۔ اور جس کے چاروں طرف
سنہالی عورتیں آ آکر سجدے میں گر رہی تھیں — موروں اور ہاتھیوں اور
راج ہنسوں کی ریلیف والے نفیس اور سبک مون اسٹون ۔ لنزلی ایک
ایک چیز دیکھ کر بے حال ہوا جا رہا تھا ۔ "تم امریکن بھی خوب چیز ہو" سیتا نے
ہنس کر کہا ۔

"وہ دیکھو سات محل پرشاد —" لنزلی نے سامنے اشارہ کیا اس زمانے میں
لوگ سات سات منزلیں تعمیر کر لیتے تھے ۔ کمال ہے ۔

"رامائن میں تلسی داس نے لکھا ہے کہ لنکا کے محل خود وشوکرم نے خدائے
دولت کوبیر کے رہنے کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنائے تھے،" سیتا نے کہا ۔

ہیں ۔ ہیں ! پھر سے کہنا :" اس نے فوراً اپنی نوٹ بک نکالی ۔ سیتا کھلکھلا
کر ہنس پڑی اور یہ بھی لکھو ۔ ؛ شنو نے جادو کا شہر بسایا تھا ۔ اس میں شہزادی
وشوموہنی رہتی تھی، وہ ایک شکستہ ستون پر بیٹھ گئے ۔ لنزلی نے نوٹ بک
بند کر دی ۔

تمہیں ایک بات بتاؤں —" اس نے کہا " ہند دیومالا اور رامائن کی

کہانی پڑھ کر میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ سیتا کیسی ہوگی۔

"اور وہ تم نے آج دیکھ لی!" وہ اور توجہ سے ہنسی۔

فضول ۔۔۔ فضول ۔۔۔ وقت گذر رہا ہے ۔۔۔

واپسی میں انہیں دور سے رن کوٹ دیہار کا عظیم الشان ستوپ نظر آیا جس کے وسیع و عریض گنبد پر گھنا جنگل اگ آیا تھا۔ کتنی ڈرامائی بات ہے سیتا نے کہا۔ انسان جنگل کے سامنے بے بس رہ جاتا ہے،

"ہاں" لزلی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ تم بالکل ٹھیک کہتی ہو
ریسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر اس نے سیتا سے کہا۔ اگر تم یہ نہیں چاہتی ہو کہ میں دوبارہ تمہارا تعاقب شروع کر دوں تو تم میری کار میں آجاؤ ۔۔۔ اور اپنے ڈرائیور سے کہہ دو کہ ہمارے پیچھے پیچھے آئے۔

سیتا نے ایسا ہی کیا۔

پولونرواے کھنڈر عقب میں چھوڑ کر وہ پھر سیدھی سڑک پر آگئے ۔۔۔

سیتا نے سر پیچھے ڈال کر آنکھیں بند کر لیں پچھلے سال وہ عرفان کے ساتھ!!! بھاولپور کی گرد آلود سڑک پر سے گذر رہی تھی۔ عرفان اس وقت کولمبو میں تھا۔ جمیل بھی کولمبو میں تھا۔ وہ لزلی ونسنٹ مارس کے ساتھ سگریہ جا رہی تھی۔

رات ہو گئی۔

ستی ساوتری نے جنگل میں کہا تھا ۔۔۔ رات ہمارے چاروں اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ سورج ڈوب چکا ہے۔ رات کے حیوان چاروں گھونٹ گھوم رہے ہیں۔ اور بڑی بے رحمی سے طنزیہ قہقہے لگاتے ہیں۔ ان کے چلنے سے پتیاں کھڑکھڑا رہی ہیں۔ جنوب مغرب سے آتی ہوئی گیدڑوں کی بھیانک چیخیں

میرے دماغ کو بھڑا رہی ہیں ـــــ میرے دماغ کو ـــــ میرے دماغ ـــــ

رات کی تاریکی میں سگریہ ریسٹ ہاؤس پر گہرا سکوت طاری تھا۔

"تمہارا ریزرویشن موجود ہے؟ لزلی نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ـــ"

"آپ کا کمرہ اس طرف کے ونگ میں ہے ڈاکٹر مارش ـــ" ریسٹ ہاؤس کے مینیجر نے سامنے آکر کہا۔

"اچھا۔ تھینکس۔ وہ اٹیچی کیس اٹھا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا دوسرے برآمدے کی سمت روانہ ہو گیا۔

صبح کو جب وہ اپنے کمرے سے نکلی تو وہ برآمدے میں بیٹھا بڑی تندہی سے ٹائپ کر رہا تھا۔

"گڈ مارننگ! اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"گڈ مارننگ ٹو یو پروفیسر!" سیتا نے جواب دیا اور قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وہ ٹائپ کرنے میں مصروف رہا۔

"کیا لکھ رہے ہو؟"

لزلی نے ٹائپ شدہ کاغذات اس کی طرف کھسکا دیئے۔

"جنوبی ایشیا میں کمیونزم کا اثر ـ"۔ سیلون کی سری لنکا فریڈم پارٹی کا ڈھونگ دوسرے باب کا پہلا عنوان تھا ـــــ وہ چند صفحوں پر نظر دوڑا کر کوفت کے ساتھ باہر دیکھنے لگی۔

"تمہاری باتوں سے لگا تھا کہ تم معقول قسم کے ڈیموکریٹ ہو ـ"

چند منٹ بعد اس نے کہا۔

لیزلی ٹائپ رائٹر بند کر کے ہنسنے لگا، میں نے کل شام پولونروا میں تم سے

بحث کرنے کے بعد طے کر لیا ہے کہ اتنے خوبصورت لمحات سیاسی گفتگو میں برباد نہیں کروں گا کیونکہ جب تم تقریر شروع کر دیتی ہو تو دوسرے کو کوئی اور بات کرنے نہیں دیتیں اور اس طرح بہت قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ تم ایسی حسین لڑکیوں کو انٹلکچوئیل بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔

سیتا نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے ساتھ بریکفاسٹ کی میز کی طرف چلی گئی۔

ناشتہ ختم کر کے اس نے گھڑی دیکھی۔

"اب جلدی سے سگریہ دیکھ آنا چاہیئے"۔

"کیوں ——؟ جلدی کیا ہے؟ لیزلی نے اس کا سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔

میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ ایک دو دن یہیں رہا جائے"۔

"مجھے منگل کی صبح کو کولمبو واپس پہنچنا ہے"۔

"کولمبو پہنچنے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟ تم تو کہتی تھیں کہ پراچین لنکا کی سیاحت کے لیے آئی ہو، انگریزوں کے بسائے ہوئے اس کونوئیل شہر میں کیا رکھا ہے

وہ میز پر ماچس کی تیلیوں سے حروف بنانے میں منہمک رہی۔ ایک بہت کم عمر سنہالی جوڑا جن کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں ہماہ عسل منانے آیا ہے۔ اپنے کمرے سے نکل کر کاونٹر پر آیا۔ لڑکی کولمبو ٹرنک کال کر رہی تھی

"مما —— ہم لوگ خیریت سے ہیں۔ بہت اچھا —— کھانا ——؟ ہاں کھانا بہت اچھا ہے —— ہاں ہاں —— میں نے اوولٹین پیا ہے —— بس رتنا کو بہت سے پکچر پوسٹ کارڈ بھیجوں گی —— جارج سے بات کیجیے ——"

قہوہ ختم کر کے لیزلی اٹھ کھڑا ہوا —— "جو تمہاری مرضی —— چلو سگریہ دیکھ آئیں

سگریہ کی چھ سو فٹ اونچی ہیبت ناک چٹان کی چوٹی پر پہنچتے پہنچتے بہت وقت

لگ گیا ہوا بہت تیز تھی اور مدھم دھوپ نیچے حد نظر تک کھیتوں پر پھیلی ہوئی تھی —— دور افق پر تیز نیلی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

چوٹی پر پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے اس نے یکلخت لیزلی سے کہا "احساس جرم سگریہ کی چٹان کی طرح مہیب اور اٹل اور بباہ اور خوفناک ہے"

"تم بعض دفعہ ایسی گنجلک باتیں کرتی ہو کہ ان کے لیے باضابطہ فٹ نوٹس کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے —— بتاؤ دنیا کی کس لائبریری میں تمہاری باتوں کے اشارے مل سکیں گے —" لیزلی نے کہا۔

سیتا نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا کس قدر احمق آدمی ہے۔

فضول —— فضول —— فضول ——"

ایک اور چٹان کی سطح کو پار کر کے وہ فریسکوز کی طرف جانے والی آہنی سیڑھیوں کے نیچے پہنچ گئے —— لیزلی نے ایک قدم منڈیر پر رکھ کر اوپر دیکھا۔

"اگر وہاں سے گر جائے آدمی تو کیسا رہے؟" اس نے ہاتھ سے آنکھوں پر سایہ کرتے ہوئے پھر چاروں طرف دیکھا —— دفعتاً اس نے مڑ کر سیتا سے سوال کیا تم احساس جرم کی کیا بات کر رہی تھیں —؟"

"کچھ نہیں ——!" وہ منڈیر پر بیٹھ گئی۔

"مجھے ضرور بتاؤ" —— لیزلی نے ضد کی

"رات میں سگریہ کی کہانی پڑھ رہی تھی ——" سیتا نے بات ٹالنے کے لئے کہنا شروع کیا —— کہ پانچویں صدی عیسوی میں دھتومین لنکا کا راجہ تھا"

لیزلی نے فوراً نوٹ بک نکال لی اور گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اس کے دو بیٹے تھے —" سیتا نے ہوا کے تھپیڑے سے اڑتے ہوئے پلو کو کمر کے گرد لپیٹتے ہوئے کہا — کیشیپ اور موگلنا۔ راجہ کی بیٹی کی شادی اس کے سیناپتی سے ہوئی تھی ایک روز راج کماری نے اپنے باپ سے کہا کہ اس کے شوہر نے اسے کوڑوں سے مارا ہے۔ دھتو سین نے غصے میں آ کر اس کی ساس کو زندہ جلوا دیا۔ سیناپتی بادشاہ پر خود حملہ نہیں کر سکتا تھا، اس نے کیشیپ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور کیشیپ نے بغاوت کرنے کے بعد باپ کو زندہ دفن کیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ موگلنا جان بچا کر ہندوستان بھاگ گیا۔ مگر اس کے بعد مہاراجہ کیشیپ کو احساسِ جرم نے ستانا شروع کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ انتقام کی دیوی اسے اس کے جرم کی سزا دے گی۔ لہٰذا اس مستقل خوفزدہ بادشاہ نے سگریہ کی اس اونچی چٹان پر اپنا قلعہ بنایا تاکہ دنیا سے محفوظ رہ سکے اس چٹان کی سطح پر اس نے محل دو محلے اور تالاب اور حوض بنوائے اور یہاں رہنے لگا، مگر اٹھارہ سال بعد —" منڈیر سے اٹھ کر اس نے پھر اوپر چڑھنا شروع کر دیا لیزلی نوٹ بک سنبھالے ساتھ ساتھ سر جھکائے بڑے دھیان سے کہانی سنتا جا رہا تھا، چلتے چلتے ایک سیڑھی پر سیتا کا پیر رپٹا۔

ارے ارے — سنبھل کر چلو —" اس نے گھبرا کر کہا — ہاں — پھر —؟

اٹھارہ سال بعد موگلنا فوج لے کر ہندوستان سے لوٹا اور اس چٹان کے نیچے اپنے بھائی سے جنگ کی اور کیشیپ نے میدانِ جنگ میں خودکشی کر لی۔

انہوں نے خطرناک آہنی زینے پر چڑھنا شروع کیا اور چند منٹ میں اوپر پہنچ گئے، چوٹی کے بالکل کنارے کنارے گیلری تھی جس کی دیوار پر اجنتا کی نقل میں فریسکو بنے تھے،

پھول برساتی ہوئی اپسرا۔ اس کاری پروڈکشن اتنی مرتبہ دیکھا ہے کہ اس وقت اسے سچ مچ میں دیکھ کر یقین نہیں آرہا ـــــ لیزلی نے کہا۔

"تم نے اجنتا کے فریسکو دیکھے ہیں؟" سیتا نے پوچھا۔

"نہیں ـــ اب جاکر دیکھوں گا ـــ ذرا سوچو یہ خوبصورت تصویریں فنکاروں نے کتنی جوکھم میں پڑ کر بنائی ہوں گی۔

اجنتا دیکھنے کے بعد یہ پانچ چھ چھوٹی چھوٹی تصویریں بالکل مسخرہ پن معلوم ہوتی ہیں مجھے تو بڑی مایوسی ہوئی۔ خواہ مخواہ اتنی اوپر چڑھ کر آئی۔

چواب نیچے چل کر گریفیٹی دیکھ لیں ـــ سیتا نے گائیڈ بک کھول کر کہا۔ لیزلی تصویریں دیکھنے میں محو تھا وہ اس کے نزدیک جاکھڑی ہوئی۔

"تمہاری تصویر اگر کسی قدیم سنگلاخ دیوار پر اسی طرح بنائی جاتی تو کیسی لگتی۔" لیزلی نے پلٹ کر اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جانے یہ لڑکیاں کون رہی ہوں گی ـــ" سیتا نے بالوں کی لٹ پیشانی پر سے ہٹا کر آہستہ سے کہا ـــــ وجونتا ـــ بجلی کی شہزادی ـــ میگھ لتا ـــ بادل کی شہزادی ـــ اپسرائیں ـــ رمبھا ـــ منیکا ـــ" اس نے گائیڈ بک میں ان کے نام پڑھے ـــ ان اپسراؤں کی ماڈل لڑکیاں اصل زندگی میں کیسی رہی ہونگی؟"

فریسکوز سے آگے بڑھ کر وہ گریفیٹی کی طویل دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ نیچے شہر کے عظیم الشان پنجوں کے درمیان سے نکل کر چند سیاح سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ سنہاگیری کا ہولناک سایہ دور دور تک کھیتوں پر پڑ رہا تھا۔

اس دیوار پر صدیوں پہلے سگریہ آنے والے سیاحوں نے جو کچھ لکھا تھا۔ اسی طرح محفوظ ہے۔ سیتا نے گائیڈ بک کھول کر پڑھنا شروع کیا ـــ اس عظیم الشان لوح پر جو شیشے کی دیوار کہلاتی تھی، چھ سو اسی تحریریں منقش ہیں جنھیں ہمدی

آپ کی طرح بیاحوں نے لکھا ہوگا ــ بہت سی مناقیہ نظمیں سوال جواب کی صورت میں ہیں۔

" دوست ــ ایک جگہ لکھا ہے ــ ان سلہری لڑکیوں کی تصویریں جگہ جگہ سے خراب ہوگئی ہیں ــ کہیں کہیں پہ ان کا رنگ اڑ گیا ہے ــ کیا اب کوئی ایسا باقی نہیں جو ان کے زمانے میں ان سے پیار کرتا تھا؟"

" ایک جگہ کسی عورت نے لکھا ہے " سنو سنو ــ ہم لڑکیاں تم سے مخاطب ہیں ــ تم احمقو! تم جو سگریہ آئے ہو ــ گیت گانے اور نظمیں لکھنے کے علاوہ تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہم عورتیں ہیں اور ہمیں مدد راچاہیے ـ"

کینڈی میں شاطو کے دریچے میں سے جھیل نظر آرہی تھی جس کے چاروں طرف پہاڑیوں پر سرخ چھتوں والی کوٹھیاں پام کے گھنے جھرمٹوں میں چھپی کھڑی تھیں۔ پہاڑیوں پر بل کھاتے ہوئے سایہ دار ڈرائیو رتھے جن کے نام سابق برطانوی گورنروں کی بیویوں کے نام پر رکھے گئے تھے ــ لیڈی ہوبرٹن ــ لیڈی بلیکس ــ لیڈی مک کیلیم ـ آسمان کے مقابل بائیبل روک استادہ تھی۔

شاطو کا مالک کوئی رومن کیتھولک بیرسٹر تھا جس کا آدھا نام پرتگالی، آدھا سنہالی اور آدھا تامل تھا نچلی منزل کے ڈرائینگ روم میں فیملی گروپ آویزاں تھے۔ اوپر کھانے کے کمرے میں بیرسٹر کے کسی پرکھ کی روغنی تصویر سجی تھی۔ تصویر کے نیچے ان کا نام لکھا تھا ــ ڈوں فرنڈینڈ ڈی کوسٹا سمر سنگھا رونامد لیار ـ"

" کولونیل مشرق اور سامراجی مغرب کا یہ ناجائز اختلاط مجھے ہانگ کانگ سے لے کر گوا تک ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے ــ" لیزلی نے نیپکن اٹھا کر دریچے کے قریب کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تم نے کینڈی کے رقاصوں کا ناچ دیکھا ہے؟ ہیتل نے پوچھا۔

"ہاں میں جنگ کے زمانے میں برما جاتے ہوئے یہاں چند روز کے لیے ٹھہرا تھا۔ اتفاق سے اسی شامیو میں ٹھہرا تھا۔۔۔ جس زمانے میں کینڈی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساؤتھ ایسٹ ایشیا کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔۔۔" پھر وہ رک کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔۔۔

"کیا سوچتے ہو۔۔۔" سیتا نے سلاد کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔" وہ چونک کر بولا۔ "برما میں بری طرح زخمی ہوا اور کئی سال جنگی قیدی رہا تھا۔ میرے دو چھوٹے بھائی ٹوکیو پر بمباری کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔۔۔ جنگ بڑی خوفناک چیز ہے ہنی۔"

"اور اب تم ایک اور جنگ لڑنا چاہتے ہو۔"

"کیونکہ تمہارے اس خوبصورت ایشیا کو کمیونزم سے بچانا لازمی ہے ہنی لیے"

سیتا نے ایک بار پھر خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔

"چلو اچھے سیاحوں کی طرح "دانت کا مندر" دیکھ آئیں" کھانے کے بعد اس نے ذرا اکتا کر لیزلی سے کہا۔

کینڈی کے مشہور و معروف "دانت کے مندر" میں شام کی پوجا ہو رہی تھی۔ اس سے ملا ہوا کینڈی کے آخری بادشاہ سری وکرم راج سنگھ کا چھوٹا سا چوبی محل سنسان پڑا تھا۔ لیزلی اس کی دیواروں کے چوبی نقش و نگار انگلیوں سے چھوتا پھرا۔۔۔ اس بادشاہ کو ۱۸۱۵ء میں انگریزوں نے شکست دے کر لنکا پر قبضہ جمایا تھا۔۔۔ سیتا کو یاد آیا۔۔۔ اس نے کولمبو میوزیم میں سری وکرم راج سنگھ کی رانی کا اطلسی بلاوز ایک شوکیس میں رکھا دیکھا تھا جس کے شانے پر خون کا مدھم سا دھبہ تھا۔ بلاوز کے نیچے ایک پرچی پر لکھا تھا۔ کینڈی کو تاراج کرنے کے بعد راج محل پر حملہ کرتے ہوئے برطانوی سپاہیوں نے مہارانی کے کانو ں

سے جو بالیاں نوچی تھیں یہ اس کا خون ہے ۔!

جھانسی کی لکشمی بائی ـــــ لکھنؤ کی ملکہ حضرت محل ـــ کینڈی کی مہارانی ۔

شاطو واپس آکر رات کا کھانا کھانے کے بعد لیزلی سے مزید باتیں کرنے کے بجائے وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی، وہ اس سے تین دن تک متواتر باتیں کرتے کرتے اب اکتا گئی تھی ۔

رات گئے تک لیزلی کے کمرے سے ٹائپ رائٹر کی آواز آیا کی۔ شاید وہ اس وقت ـــــ جنوبی ایشیا میں کمیونزم کے اثرات کا تیسرا باب لکھ رہا تھا

دوسرے روز سویرے وہ کینڈی سے روانہ ہوئے شہر سے باہر مہاویلی گنگا میں ہاتھی نہا رہے تھے، چند میل کے فاصلے پر سیلون یونیورسٹی کی سنگ سرخ کی خوبصورت عمارات دور دور تک سرسبز پہاڑیوں پر بکھری ہوئی تھیں ۔ سایہ دار راستوں پر سوتی ساریوں میں ملبوس سانولی سلونی لڑکیاں کتابیں اٹھائے ادھر ادھر آجا رہی تھیں ـــــ جانے ان بیچاریوں کی قسمتوں میں کیا کیا لکھا ہے ۔ کار میں لیزلی کے پہلو میں بیٹھے ہوئے اس نے سوچا ـــــ وہ بھی کسی زمانے میں اسی طرح ذوق و شوق سے کتابیں سنبھالے پڑھنے جایا کرتی تھی، اب اس کی سمجھ میں آیا کہ اس کی سسرال کی بڑی بوڑھیاں کنواری لڑکیوں کے سلام کے جواب میں "اللہ نصیبہ اچھا کرے" کیوں کہا کرتی تھیں ـــ اور بڑی خالہ منجھلی خالہ چھوٹی خالہ تینوں خود اس کے سلام کے جواب میں اسے بوڑھ سہاگن ہو اور مانگ سے ٹھنڈی رہو" کی دعائیں کیوں دیتی تھیں ۔!!

کینڈی سے آگے اچانک زیادہ بلند پہاڑ شروع ہو گئے، پام کے جھنڈ اب ختم ہو رہے تھے، اور ان کی جگہ اونچے اونچے الپائن درختوں نے لی تھی،

تیسرے پہر کو وہ نوارا ایلیا کے ہل اسٹیشن پر پہنچ گئے ـــــ نیورا ایلیا

روشنیوں کا شہر ۔۔۔"

انگریزی کنٹری ہاؤس کی وضع کا دو منزلہ گرینڈ ہوٹل" ایک پھولوں سے لدی ہوئی پہاڑی پر ایستادہ تھا۔ اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو چکی تھی۔ ہوا میں پہاڑی گلابوں کی تیز مہک تھی ، ہر طرف ڈیزی اور کارنیشن کے پودے لہلہا رہے تھے ہوٹل کے اندر سے مدھم مغربی موسیقی کی آواز آ رہی تھی ،

" افوہ ۔۔۔ لیزلی نے کار سے اتر کر ہوا کو سونگھتے ہوئے کہا ،

" مجھے یکایک ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ایشیا کے تند و تیز سحر سے بچ کر ایک بار پھر اپنے محفوظ اور سرد مغرب میں واپس آ گیا ہوں "۔

جتنی دیر میں سیتا اپنا سامان سنبھال کر برساتی میں اتری وہ ہال میں جا کر کاونٹر پر بیٹھے ہوئے کلرک سے بات کرنے میں مصروف ہو چکا تھا ۔۔۔ وہ بھی قریب آ کر کھڑی ہو گئی ۔

کلرک نے رجسٹر کھولا اور لیزلی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا

" ڈبل روم سر ۔۔۔؟"

" ہاں ۔۔۔" لیزلی نے جواب دیا ۔

" نام ۔۔۔؟"

" مسٹر اینڈ مسز لیزلی مارش ۔۔۔" لیزلی نے جواب دیا ۔

" کلرک نے لکھ لیا "،

" تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں تھی ۔۔۔؟ اس نے آہستہ سے پوچھا ۔

وہ چپ رہی ۔

دوسری صبح پہاڑوں پہ بہت گہرا کہرہ چھایا ہوا تھا ، دھند چھٹی تو سیتا ہاؤس کوٹ پہن کر دریچے میں گئی اور سرخ پھولوں والا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی ،

" آج کا کیا پروگرام ہے ؟ اس نے پلٹ کر لیزلی سے پوچھا ،

"تم ہی بتاؤ" اس نے شیو کرتے ہوئے سنگھار میز کے سامنے سے جواب دیا۔ "میں تمہارے ہاتھوں میں ہوں"۔

سیتا کھڑکی کے سرد شیشے سے ناک چپکائے دیر تک باہر کا منظر دیکھا کی لیزلی اب تک انتہائی بے سری آواز میں جنوبی پلانٹیشنز کا ایک اداس نیگرو نغمہ گنگنا رہا تھا۔ باہر چوٹیوں پہ بادل تیرتے پھر رہے تھے۔ دور پہاڑوں پر آبشار تیزی سے گر رہے تھے۔

تو ارا ایلیا میں زمین ایک فٹ تک سیاہ ہے یہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سیتا کو بچانے کے لیے یہاں آکر ہنومان جی نے سارے پہاڑ کو آگ لگادی تھی تب ہی سے یہ زمین جلی ہوئی ہے۔ سیتا یہیں کھوئی گئی تھیں۔ راون نے سیتا کو لاکر اسی جگہ پر قید کیا تھا۔

دوپہر کو سیتا اور لیزلی پہاڑوں پر گھومتے پھرتے ایک آبشار کے کنارے جا پہنچے —— "ذرا یہاں رکنا ——" سیتا نے لیزلی سے کہا۔ آبشار سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹا سا سفید رنگ کا مندر کھڑا تھا۔ وہ کار سے اتر کر چٹانیں پھلانگتی مندر کی سمت گئی۔ لیزلی بھی کیمرہ سنبھال کر پیچھے پیچھے لپکا۔ مندر کے نیچے پہاڑی ندی کا شور مچاتا ہوا پانی بہہ رہا تھا۔ اندر سے پجاری نکلا۔ امریکن ٹورسٹ کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا کہ آج خدائے دولت کے درشن ہو گئے دس روپے سے کیا ہی کم بخشیش دے گا۔

"یہ سیتا پرمیشوری کا مندر ہے"۔ بالوں کا جوڑا بنائے سر پر ہاتھی دانت کی کنگھی اڑسے ایک راہ چلتا سنہالی سیتا کو بتا رہا تھا —— "دیکھیے میڈیم —— وہ جو آبشار کے برابر میں چھوٹی سی سرنگ ہے اس کے ذریعے سیتا کو ایلا سے کھانا لاکر پہنچایا جاتا تھا۔

راون یہاں سے اڑتیس میل دور ایلا میں رہتا تھا۔

گڈ گاڈ ——! سیتا زور سے ہنسی لیکن لیزلی بڑی عقیدت سے اپنی نوٹ بک میں لکھتا گیا۔

یہ سب باتیں میری کتاب میں عوامی عقائد کے باب میں آئیں گی میں ثابت کروں گا کہ تمہاری ساری کیمونزم کے باوجود (پورے ایشیا میں) ہندوستان پاکستان لنکا، ہر جگہ عوام کس شدت سے اپنے اپنے مذہب کے پابند ہیں اور اپنی مذہبی روایات میں کتنا اٹل اور گہرا الیقین رکھتے ہیں —— اب اس بیچارے غریب سنہالی مزدور کو دیکھو —— یہ کتنے وثوق سے تمہیں بتلا رہا ہے کہ راون یہاں سے اڑتیس میل دور ایلا میں رہتا تھا —— یہ مشرق کی لازوال روحانی طاقت ہے ہنی جسے تمہاری انڈین کیمونسٹ پارٹی یا برما کے تخریب پسند یا یہاں کے اشتراکی اور "ہمسفر" —— کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا۔

سیتا چٹان پر جھک کر اس سرنگ کے اندر جھانکنے کی کوشش میں مصروف رہی جس کے ذریعہ سیتا کے لیے کھانا سپلائی کیا جاتا تھا۔

لیزلی نے مندر کی نیم تاریک کوٹھڑی کے اندر جا کر پجاری کا انٹرویو شروع کر دیا پجاری نے اس کے ماتھے پر تلک لگایا۔ ڈاکٹر لیزلی مارش نے بڑے ذوق و شوق سے سرخ اور سفید تلک لگوایا —— ماتھے پر تلک لگائے ہوئے وہ بے حد مسخرہ معلوم ہوا —— بیچارہ —— بے وقوف —— امریکن! ——

نوارا ایلیا کے اس کنٹری ہاؤس کے اس سرخ پھولدار پردوں والے کمرے میں جس کے باہر پہاڑی گلاب کھلے تھے، اور دور سے آبشاروں کی آواز آتی تھی۔ وہ چار دن تک رہے۔

۱۴

اور ہنومان جی راکھشس کے محل کے اندر گئے، مگر سیتا وہاں نہیں تھیں۔
اس محل کے برابر ایک اور محل تھا جس کے اندر ہری کا مندر بنا تھا۔ یہاں وبھیشن رہتا تھا جو ہری بھگت تھا، اور اس نے ہنومان جی سے کہا۔ میں اس جگہ پر اس طرح رہتا ہوں جیسے دانتوں کے بیچ میں زبان۔

رگھوپتی نے لکشمن سے پوچھا۔ بھائی تم نے جنک کی بیٹی کو جنگل میں تنہا چھوڑ دیا ـــــ جہاں چاروں طرف راکھشس گھومتے پھر رہے ہیں ـــ؟

رام جنگل میں پوچھتے پھرے ـــــ پرندو، جانورو، بھنورو ـــــ تم نے مری مرگ نینی سیتا کو کہیں دیکھا ہے؟ ممولے، طوطے، ہرن، مچھلیاں بجلی، کنول، خزاں کا چاند، سانپ، کام کا تیر کش بطخیں، ہاتھی، شیر اب اپنے اپنے حسن پر دوبارہ نازاں ہو سکتے ہیں، سنو جا نکی ابیل کا پھل، سونا اور

کیلا اب خوش ہیں، کیونکہ تم جا چکی ہو۔ وہ مطمئن ہیں کہ حسن میں ان کا رقیب اب کوئی نہیں رہا۔

رام نے جنگل سے گذرتے ہوئے لکشمن سے کہا ___ دیکھو لکشمن ___ جنگل کتنا خوبصورت ہے کون اس کا حسن دیکھ کر مضطرب نہ ہوگا! جب ہرن ہماری آہٹ پر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی ہرنیاں ان سے کہتی ہیں، ڈرو نہیں ___ تم تو جنم جنم کے ہرن ہو ___ لیکن یہ دونوں تو ایک سنہرے ہرن کی تلاش میں آئے ہیں ___ بھیا! دیکھو بسنت رت کتنی خوبصورت ہے کام دیو سیتا کے کھو جانے کی وجہ سے مجھے اداس دیکھ کر جنگل اور شہد کی مکھیوں اور چڑیوں کی اعانت سے میرے اوپر حملہ کرنے آرہا ہے درختوں پر پھیلی ہوئی بیلیں اس کی فوج کے خیمے ہیں کیلے اور تاڑ کے پتے اس کے علم ہیں۔ پھولوں کی جھاڑیاں اس کے تیر انداز اور کوئل کی آواز گویا اس کے جنگی ہاتھی کی چنگھاڑ ہے۔ بگلے اور مینائیں کام دیو کے اونٹ ہیں، مور اور راج ہنس اس کے عرب گھوڑے ہیں، پاموز پرندے اور جنگلی تیتر اس کے پیادے ہیں ___ چٹانیں کام دیو کے رتھ ہیں۔ آبشار اُس کے نقارے معطر ہوائیں اس کے جاسوس۔ اے لکشمن! جو کام دیوتا کی فوج کا مقابلہ کر سکے وہ سچ مچ بڑا جری ہے، کام دیوتا کا سب سے بڑا ہتھیار عورت ہے۔

اب سبز زمین گھاس سے اس طرح ڈھک گئی ہے کہ پگڈنڈیاں دکھلائی نہیں دیتیں۔ جس طرح مقدس صحیفے بدعتیوں کے مباحثوں میں چھپ جاتے ہیں۔ ابر آلود رات کے اندھیروں میں جگنو اس طرح چمک رہے ہیں جیسے ریاکاروں کا خفیہ جلسہ ہو رہا ہو۔ تھکے ہوئے مسافر ادھر اُدھر اس طرح آرام کر رہے ہیں جیسے جینیات گیان حاصل کرنے کے بعد آرام کرتے ہیں۔

لیکن لکشمن! دیکھو —! ساون بیت گیا۔ خزاں آگئی، زمین اب پھولوں کی نقرئی گھاس سے اس طرح ڈھک گئی جیسے بڑھاپا آہستہ آہستہ آتا ہے راستوں پر بہتا ہوا بارش کا پانی اس طرح خشک ہو گیا ہے جیسے آسودگی ہوس کو ختم کر دیتی ہے۔"

لے رامائن از تلسی داس۔

۱۴

اندھیرے جنگل میں چھپے ہوئے ریسٹ ہاؤس کے نیچے کالینی گنگا شور کرتی ہوئی اودی چٹانوں پر بہہ رہی تھی۔ درختوں میں پرندے رات کا بسیرا لینے سے پہلے تو ور نزور سے چہچہا رہے تھے۔ ہوا ناریل کے جھرمٹ میں سائیں سائیں کر رہی تھی۔ سیتا بہت دیر سے کھڑکی میں بیٹھی ندی کی تاریک لہروں کو دیکھتی رہی تھی۔ نوارا ایلیا سے واپس لوٹتے ہوئے یہاں پہنچ کر لیزلی مارش نے اسے خدا حافظ کہا تھا اور اپنے سفر پر آگے روانہ ہو چکا تھا۔ نیورا ایلیا میں اسے کیبل ملے تھے کہ اسے فوراً کولمبو لوٹ کر تین دن کے اندر کلکتے پہنچ جانا چاہیے۔

سیتا نے اسے خدا حافظ کہنے کے بعد اپنے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یہ ڈاک بنگلہ سیلون کے گھنے جنگلوں میں چھپے ہوئے باقی ڈاک

بنگلوں کی مانند ماڈرن اور جگمگاتا ہوا نہیں تھا۔ اس کا فرنیچر دقیانوسی تھا فرش پر مونج کی چٹائیاں بچھی تھیں سنگھار میزوں کے آئینے بہت دھندلے تھے کوئی اور غیر ملکی سیاح اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ سارے ریسٹ ہاؤس میں بالکل تنہا تھی۔ امریکن ایکسپریس کا ڈرائیور کار کو گیراج میں بند کرنے کے بعد شاگرد پیشے کی طرف جا چکا تھا۔ کھانا کھلاتے وقت بیرے نے دانت نکوس کر اس سے کہا تھا۔ "میڈیم —! برج اوف روور کوائی" کی سوٹنگ اسی جگہ پر ہوئی تھی۔ وہ سامنے والی گھاٹی جس میں گنگا بہہ رہی ہے وہ برج اسی پر بنایا گیا تھا الیک گھنس اور ولیم ہولڈن اور سب بڑا بڑا ایکٹر اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا تھا۔ بڑی رونق رہی تھی — ! میڈیم —! تو اس اطلاع سے بھی وہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کمرے میں جاکر کھڑکی میں بیٹھی رہی تھی۔ اور اس کے بعد روشنی بجھا کر پلنگ پر لیٹ رہی تھی، کل صبح اُسے کولمبو واپس جانا ہے۔

رات گہری ہوتی گئی — رات جو چندن کے جنگلوں میں آوارہ تھی، لونگ اور الائچی کی جھاڑیوں میں سو رہی تھی۔ رات کینڈی کے مندر کی سیڑھیوں پر بکھرے ہوئے سفید پھولوں پر لیٹی تھی۔ رات کالینی گنگا کے کنارے دریائی گھاس میں سانپ کی طرح سرسرا رہی تھی۔ رات جو تاریک جنگلوں میں چھپے ہوئے ڈچ اور پرتگالی گرجاؤں کی طرح خاموش تھی، رات جو ندی کی تہہ میں سنگلاخ چٹانوں پر کروٹیں بدل رہی تھی رات جو کینڈی کے شاہی ہاتھیوں کے شاہی مہاوت کی طرح باوقار اور مغرور تھی اور رات جو مہادیلی گنگا میں نہانے والے ہاتھیوں کی طرح سیاہ فام اور سست رو تھی، کینڈی میں ٹارچ لائٹ جلوس نکل رہا ہے، بدھ کے دانت کا جلوس، بدھ کا دانت سونے چاندی میں مغرق ہاتھی کے جگمگاتے ہودے کے اندر ہیرے جواہرات کے صندوقچے میں رکھا ہے گھاس پر لیٹا ہوا

بدھ دانت نکو سے ہنس رہا ہے۔ اس نے نقلی دانت لگا رکھے ہیں۔ مہاتما بدھ کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور ۔

رات جو نہرڈوں کی آواز ہے۔ بانسری کی آواز بیگ پاپ کی آواز ستاروں کی آواز پریام میورہ پرتی تریتی — مور اپنی محبوبہ کی طرف ناچتا ہوا جا رہا ہے، پریام — ارے میں تو ساری زبانیں بھول گئی۔ بھلا میں کتنی زبانیں جانتی ہوں ایک بھی نہیں ہیں بالکل گونگی ہوں ۔

الفاظ کے بادشاہ — اے الفاظ کے بادشاہ — دانی اور دنایک کو میرا پرنام جنھوں نے الفاظ اور ان کے معانی ایجاد کیئے۔ میں وساکھ دت ہوں رہاراجہ بھاسکر دت کا بیٹا۔ میرے سر پہ بادلوں کی گھن گرج ہے، میرا پریتم بہت دور ہے یہ کیا ہوا —؟ ارے بھئی یہ کیا ہوا —؟ امر بوٹیاں برفیلے پہاڑوں پر ہیں۔ اور سر پر کنڈلی مارے ناگ بیٹھا ہے کنڈلی مارے ناگ ۔

الوالحماقت قمرالاسلام چوہدری نے مجھے چنڈی داس کا وہ کونسا گیت سنایا تھا —؟ رات اندھیری ہے اور بادل گھیرے۔ تم ایسی رات میں کیسے آ سکے؟ وہ پھول بن میں کھڑا بارش میں بھیگتا ہے۔ میری ساس نندیں بہت ظالم ہیں۔ چنڈی داس کہے — سکھی رہی — سکھی رہی —

اور مہابدھو پادھیائے ٹنڑی پر وبھیش کار چوہدری نے ودیاپتی کے کون سے گیت کے معنی بتائے تھے — ؟ رادھا کی نیم باز آنکھوں کی پتلی ایسی ہے جیسے کنول کے پھول پر بھنورا بیٹھا ہو — ہا ہا — اور ہوا کے جھونکے کے زور سے پنکھڑیوں کے اندر سرک جائے — نہانے کے بعد اس کی آنکھیں کاجل لگا کر ایسی لگتی ہیں جیسے کنول پہ بھنورا لگا ہو — اور —

ای ی ی ک — ای ی ی ک —

اور وہ رات کو شب رنگ ساری پہن کر کرشن سے ملنے جاتی ہے۔

اُجی سنادے سنادے سنادے کرشنا، تو بنسی کی تان سنادے کرشنا آں آں سنادے رامائن میں لکھا ہے تلسی داس جی نے کہ نوجوان عورت شعلے کی لو کی مانند ہے۔ اے آتما! تو اس کا پروانہ نہ بن ـــ مگر کوئی الّو کا پٹھا تلسی داس جی کی بات نہیں سنتا۔

رتن پورہ میں اگر مجھے وہ چلتا منی ہیرا مل جائے۔ جو ساری خواہشیں پوری کر دیتا ہے۔

سری لنکا کے سارے پہاڑ ترچھے ہو گئے۔

خدا کرے عمران جو وشنو کے جسم کے مانند زرد ہے

تمہاری مشکلیں دور کرے۔

گہرے پانی ہیبت ناک مچھلیوں کے تیرنے سے مضطرب ہیں۔

تمہارا حکم تازہ پھولوں کے گجرے کے مانند

میں نے اپنے سر پہ لیا ہے۔

بیلا پھولے آدھی رات گجرا میں کے گرے ڈاروں ـــ ادے بھائی میں گجرا کے کے گرے ڈاروں۔

مہاراج کی جے ہو ایک شخص جس کے پاس پاسپورٹ نہیں تھا ایک خط کے ساتھ ہمارے کیمپ سے فرار ہونا چاہتا تھا ـــ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔

بھقر ڈڈگری کس طرح کیا جاتا ہے؟ بھقر ڈڈگری، الف، بی، ٹی، سی، آئی ڈی، پی، ایچ، ڈی، کے، ایل، ایم، بین امریکن، ایر انڈیا انٹرنیشنل۔

پتیوں سے عاری درخت اس طرح کھڑے ہیں جیسے کسی کی ارتھی کیساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔

اب میں شمشانوں میں جا کر پریت منتر جگاتی ہوں جے کالی کلکتے والی۔

ماری پور کے راستے میں شمشان گھاٹ تھا۔ اس میں بے چارے مسلمان ریفیوجیوں نے جھونپڑیاں ڈال لیں ــــــ جے کالی کلکتے والی ــــــ

سائنات کی ابتدا کا اسرار کالی کے جسم کے مانند تاریک ہے شفق کی سرخی کالی کا غیض ہے طوفان اور وبائیں اور موت اسکے ساتھی ہیں۔

ہم بنگال والے صدیوں سے کالی کے قہر کا تماشہ دیکھ رہے ہیں ــــ شری پروجیش کمار چوہدری کا اسٹیٹمنٹ ٹو دی پریس ــــ بوگس ایکسپریشنسٹک تصویریں بنانے والا بوگس بوگس۔ کالی کا تصور ایکسپریشنسٹک ہے۔ بوگس۔

میری ریکھا کھانچی بالکل بیکار گئی ۔

انسویا نے کہا سنو راج کماری

تقدیس، پتی ورتا، معصومیت، وفاداری۔ ہائے ہائے۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمین کامریڈز پابئوتے پینو ــــ آپ سب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سیتا آج کی دنیا کے خوفناک جنگل میں کھو گئی۔ اس سیتا کو آج کی دنیا کا راون اڑا کرلے گیا۔ حضرت! یہ آج کی دنیا جو دو کیمپوں میں بٹی ہے۔ اینگلو امریکن سامراج کی شکار دنیا جس میں معصوموں کو تھرڈ ڈگری کیا جاتا ہے تو انہیں کوئی ہنومان بچانے نہیں آتا ــ لنا ڈ بر مائیکر و فون فیل ہو گیا ــــ ارے کیلاش ناتھ ماتھر ذرا کرنٹ تو منگاؤ جلدی سے۔ ہاں تو حضرات میں کہہ رہی تھی کہ آج کی دنیا میں جہاں ہائیڈروجن بم کے راون اپنے موہٹ بان سے شہروں کو آن کی آن میں بھسم کرنے والے ہیں، جہاں ایشیا اور افریقہ کی ہزاروں سیتائیں اغوا کرلی جاتی ہیں ــــ اے راماین پڑھنے والے بگلہ بھگتو ــــ تم نے ۴۷ء میں کتنی مسلمان سیتائیں اڑائی تھیں۔ ذرا ان کا حساب تو لگاؤ ــــ اور اے یزید اور شمر پہ لعنت بھیجنے والے مسلمان مجاہدو ــــ تم ــــ بھی ــــ"

سیتا میرچندانی — رول نمبر ۹۶۳ — ؟

یس پلیز —

جی ہاں میرا ہی نام سیتا ہے ۔

آمار سہیر — آمار پریو سیتا

ہائی سیتا — ہنی

سیتا میری جان

جانِ من

سیتا ڈارلنگسٹ ۔

بتاؤ تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے ؟

میری خواہش ؟ وہی کہ سری لنکا کے جواہرات کے شہر رتن پورہ کے سارے ہیرے مجھے مل جائیں ۔ پھر دیکھو تم سب کا کیسا پرا کرتی ہوں ۔

ہائے ہائے میں بڑی سخت پٹی بور ہو رہا ہوں ۔

ہلو ہلو ہلو — آوازیں — کیسی کیسی آوازیں ٹیلی فون کے تاروں کی جھنجھلاہٹ ریل کے پہیوں کی چھک چھکا چھک — موٹر بوٹ کی گھڑ گھڑ طیارے کے انجن کی زوں زوں گھوں گھوں ۔ شائیں شائیں ٹائیں ٹائیں فش چیں پٹاخ ریں ریں ادلڈ انڈین پھیلچر مس ڈپلامنٹ فلفٹ اظہر اختر ڈگلس اسکاٹ — رواں رواں دھائیں دھائیں چھواچھو دھوبی کی آواز — بلقیس بٹیا لادی لے لیجئے — بیگم صاحب آج کیا کیا پکے گا ۔ تمام عمر رہا غمزدہ دادا کا شکار ڈھول ۔ بنارس کے مندروں کی روشن چوکی ۔ تیمر کی بارات کا بینڈ ۔ راجہ کی آئے گی بارات ۔ سنڈے کے سنڈے ۔ محرم کا تاشہ — جعفر باندی کا نوحہ — ارے بلبل کو گل پسند گلوں کو ہوا پسند — ہم بوترابیوں

کو ہے خاکِ شفا پسند — تجھ کو ارم پسند نہیں کربلا پسند ہیں کربلا — ہمیں کربلا پسند — وادن جلتا ہے، سیتا جلتی ہے لنکا جل کر راکھ ہو گیا۔

بیراہل ہنسا، راہل کی ہنسی جمیل کا قہقہہ، شراب کے گلاسوں کی کھنکھناہٹ وہ بوڑھے میاں بی بی جو بروک لِن برنج پر کھڑے ہچکے چپکے کسی بات پر ہنستے تھے بچوں کی طرح مسرور —

میں مر جاؤں گی — موت — اور میری ٹانگیں پچھم کی اور کر دی جائیں گی، تاکہ میری آتما ناؤ میں سوار ہو کر سندھ مہاساگر پر سے گذر سکے، چتا کے شعلے موم بتیاں، تازہ پھول، قبر کی تازہ مٹی تلسی پور کا قبرستان جہاں جمیلہ باجی کو دفن کرنے کے گئے تھے — جمیل ڈارلنگ میں اب بھی رات میں اکثر وہی پریشان خواب دیکھتی ہوں کہ میں ایم۔ اے کا پرچہ کر رہی ہوں جو کسی ایسی زبان میں لکھا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی اور تین گھنٹے پورے ہونے والے ہیں — دو گھنٹے — ایک گھنٹہ — بیس منٹ — پانچ منٹ — ایک۔

GIVE ME FIVE MINUTES MORE

ONLY FIVE MINUTES MORE

ONLYFIVE MINUTES MORE OF YOUR CHARM

ONLYME FIVE MINUTES MORE

IN YOUR ARMS

ہاتھی کی شکل کی چٹان — اونچی چوٹی پر چڑھنے کی کوشش کرو تو پاؤں رپٹ جاتا ہے میں سگریہ سے بھی اونچی چٹان پر جا کر چھپوں تب بھی پکڑی جاؤں گی۔

آپ کی تعریف —؟

جی میں —؟ مسز بیچ لگثری ہوٹل۔

اور آپ —؟ شری اشوکا ہوٹل —؟ پدھاریئے پدھاریئے۔

انڈیا وِیٹ از بھارت نے مہاراج دھیراج اشوک کے ستون دریافت کیے۔ اشوک چکر دریافت کیا۔ اشو کا ہوٹل دریافت کیا۔

اور آپ کی تعریف؟

یہ میری نند ہیں۔ تند بھلی لیسنت۔ بلقیس انور علی —— منبر ون ایکٹریس پروڈیوسر انٹلکچوئیل۔ دِلی کے دل کی دھڑکن۔ اے جمنی بیگم —— امراد بیگم کھیتو بیگم —— سب جنے اِدھر آؤ۔ لے یہ کاگا نوچن کیا مچی ہے۔ جمیل کی دلہن اپنی ایڑی دیکھو کہیں نظر نہ لگ جائے۔ تم پر پنکی پڑے بھوری بیگم ایسا پانچہ بھاری کر کے بیٹھیں کہ بس اب آئیں دو گھڑی کے لیے چھپّر اُتارتے —— بندی بوا —— اے بندی بوا کل سے جمیل بھیا کا پنڈا اپھیکا ہے، میرے تو دل کو پنکھے لگ رہے ہیں۔ رات میں نے مولا مشکلکشا کے نام کا پیڑہ دھو کے اٹھایا —— اور سنو کیا کیا کھیتو بیگم نے بندی نگوڑی پہ تو یتے جوڑے جیسے خود تو بڑی ست ونتی بیوی ہیں —— عروج کی دلہن بڑی دھونتال ہیں ان کے بھرے میں بھی نہ آیئے گا اماں —— وہ کسی کو کیا کھلائیں گی —— ماگھ ننگی بیبا کھ بھوکی —— رات مولا مشکلکشا ۴ خواب میں تشریف لائے۔ جمیل بھیا —— اے جمیل بھیا۔

IAM: ACOW.

مسٹر ینڈ مین —— مسٹر ینڈ مین —— میرے جی کے درنداون میں

IN MY LITTLE CORNER OF THE WORLD

TO NIGHT MY LOVE — TO NIGHT MYLOVE

بدھ سمادھیوں پر رات اتر آئی ہے

ارے یہ رات نے پھر مجھ پر حملہ کر دیا۔

ہوا کتنی تیز ہو گئی۔

ہوا پر اکرم سمندر پر بہتی آ رہی ہے۔ کالینی گنگا پر ہو رہی ہے کولمبو کی سمت بھپسر بھپسر روتی ہوئی رواں ہے۔ ہوا

ہوا۔

چاند

چاند صندل کی ڈالیوں پر سوتا ہے۔ ان لوگوں کی آنکھوں میں جو پرانی کاٹجوں میں سو رہے ہیں۔ صدیوں کی نیند ہے ــــ ڈون فرنینڈیز ڈی کوسٹا سمر سنگھار دنامد لیار رتن ہے سنگھ سو رہے۔ گن پال گن وردن۔ ان کی آنکھوں میں جنگل کی نیند ہے زرہ بکتر پہنے پرتگالی ڈچ قلعوں پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ انگریزی پلانٹرز کی روحیں مہاہنیا کی سڑک پر کھڑی امریکن تیاسوں سے مکھن چینی مانگ رہی ہیں۔ چاند اب مہاویلی گنگا میں نہا رہا ہے۔ ہاتھی جو ہزاروں برس کی جنگل میں مقید روحیں ہیں۔

چاند

رات

رات سیتا مہارانی کے ہاں ہیں۔ رام رگھو رائے کا سانولا بدن ہے۔ کالی کا چہرہ ہے تخلیق سے پہلے کی تاریکی۔ ہم سب ہر وقت اسی تخلیق سے پہلے کی تاریکی میں مقید ہیں اور سمجھتے ہیں بڑا ایوولیوشن ہو گیا۔ سیاہ۔ سیاہ، سیاہ رات۔

میں نے اپنی نیند نیویارک میں کھو دی جنگلوں میں تاڑ کے سیاہ درخت اونچے ہو کر سرخ آسمان سے جا لگے۔ لنکا تلک کا کھنڈر دانت نکالے ہنستا ہے ــــ ہی ہی ہی ــــ کنول کا تالاب لے تو ایک آنکھ کی طرح کھلا ہوا ہے۔ رییلاوتی روپ وتی ــــ بینتا دتی ــــ

دن کوٹ دیہارہ کے ستوپ میں ایک دوسرے سے انٹرنیشنل سچویشن پر گفتگو

کر رہی ہیں۔ پراکرم باہو اول ایشیا میں کیمونزم کا پانچواں باب لکھ رہا ہے جنگل نے مجھے کھا لیا۔

میرے گہنے کیسے کیسے تھے، جو بڑی خالہ نے مجھے رونمائی میں دیئے، دلہن کے گہنے۔۔۔ رتن پورہ کے سنار جڑاؤ سیندن ہار بنا رہے ہیں۔ روشنی۔ روشنی۔۔۔ چمک چمک چمک۔۔۔ جنگل کی آوازیں، چڑیوں کی، سمندر کی سڑکوں کی ہار بر کی پہاڑوں کے سناٹے کی آوازیں۔

آواز۔۔۔

صرف ایک ہے۔

یہاں آؤ۔۔۔ میرے پاس آؤ۔۔۔ میرے پاس آؤ۔۔۔ آؤ۔

۱۵

"میں ابھی ابھی آکر پہنچی ہوں ___ کیا نیوز ہے ___؟ سینتا نے ماؤنٹ لیونیا میں اپنے کمرے سے شام کے وقت فون کیا۔

اوہ ___ ہلو سیتا ___ تم آگئیں!! ہاؤ ونڈرفل ___ اجازت ہو تو اوپر تمہارے کمرے میں آجاؤں۔"

"آیئے ___"

وہ پانچ منٹ کے بعد کمرے میں موجود تھا ___ "تم تو بے حد ہشاش معلوم ہو رہی ہو۔ جنگل کی ہوا نے تم پر بہت اچھا اثر کیا۔ آئی ایم سو گلیڈ!"

"بیٹھیے ___"

وہ پہلی دفعہ اس کے کمرے میں آیا تھا اور ذرا گھبرایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے کا ایک چکر لگا کر وہ کونے میں پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ پلنگ کے کنارے پر بیٹھی بُننگ میں مصروف رہی ۔

" کیا بن رہی ہو؟"

راہل کے لیے سوئیٹر کوٹ ___ میں نے سوچا تھا مکمل کر کے جیل کو دے دوں گی کہ لے جا کر راہل کو دے دیں ___ مگر مجھے معلوم ہی نہیں اب وہ کتنا بڑا ہے، پتہ نہیں یہ اُسے آئے گا بھی یا نہیں ۔ اٹکل سے بن رہی ہوں"

وہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا ___ "اور بتاؤ" ___ پھر کیا ہوا ؟

" پھر ___ ؟ پھر ___ ! وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

" تم ایک ہفتہ بے طرح یاد آئیں کانفرنس میں کسی طرح جی نہ لگا میرا ___ نہ جانے رپورٹ میں کیا انٹ سنٹ لکھ کر آیا ہوں۔ تمہارا سفر بہت دلچسپ رہا"

" بہت دلچسپ ___ " اس نے سلائیاں تبدیل کیں ۔

امریکن بڑھیاں کیسی تھیں ؟

امریکن بڑھیا تو نہیں ایک امریکن ٹورسٹ پولو نزوا سے ساتھ لگ گیا تھا، اور وہ بوڑھا نہیں تھا ___ "

YOU ARE A BITCH ___ عرفان نے یکلخت زیر لب کہا اور چپ ہو گیا ۔

آپ نے اپنی عادت کے مطابق پوچھا نہیں کہ پھر کیا ہوا ___ " چند لمحوں کی مکمل خاموشی کے بعد سیتا نے پوچھا ۔

" تم خود ہی بتادو "

" ار ___ وہ امریکن ارکیالوجسٹ تھا ،

" پھر تو تم نے خوب اس کے ساتھ لنکا کی تاریخ ڈسکس کی ہو گی ___ جیسے

تم نے مجھے سندھ کی ہسٹری پڑھائی تھی۔

"ہاں ——" وہ بے تعلقی سے ننٹنگ میں مشغول رہی۔

وہ کچھ دیر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا پھر یکبارگی آگ بگولہ ہو کر صوفے سے اٹھا۔ اس کے ہاتھوں سے سلائیاں اور اون جھپٹ کر ایک طرف پھینکی اور اسے کھینچتا ہوا دریچے میں لے گیا۔

تاریخ ڈسکس کرنے کے علاوہ اور کیا ہوا ——؟ اس نے گرج کر پوچھا وہ سفید پڑ گئی۔

"میں پوچھتا ہوں اور کیا ہوا ——؟ بولتی کیوں نہیں ؟"

دفعتاً وہ غصے سے سرخ ہو گئی —— "شٹ اپ —— آپ کو اس طرح کے سوال کرنے کا کیا حق ہے ؟ آپ حد سے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

وہ ہونٹ کاٹتا رہا —— حق تو تمہارے اوپر قانونی شوہر کا بھی کچھ نہیں ہے جسے چھوڑ کر تم دو سال سے رنگ رلیاں منا رہی ہو۔

"شٹ اپ عرفان ——" وہ پوری قوت سے چیخی —— "گیٹ دی ہل آوٹ آف ہیر —— گٹ آوٹ —— ورنہ میں ابھی —— میں ابھی گھنٹی بجا کر بیرے کو بلاتی ہوں —— وہ سرتاپا لرز رہی تھی۔

ایک لمحے تک وہ ساکت کھڑا اسے تکتا رہا، پھر آہستہ آہستہ قدم رکھتا دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ دروازے کے باہر جا کر اس نے بڑی نارمل اور دھیمی آواز میں سکون کے ساتھ کہا۔

"بڑی کوششوں کے بعد بھٹو صاحب نے ملاقات کا وقت دیا ہے۔ آخر کار وہ آج رات کو ملنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ میں ان سے گال فیس ہوٹل میں ڈنر پر ملاقات کر رہا ہوں —— اس کے بعد ان کا جواب تم تک پہنچا دوں گا ——

گڈ نائٹ ـــ

رات کو بارہ بجے کے بعد اس کے سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی دیر تک بجتی رہی مگر اس نے فون نہیں اُٹھایا۔

۱۶

وہ رات بھر روتی رہی تھی۔ اتنا وہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اس رات بھی نہیں روئی تھی جس کی صبح وہ اور اس کے خاندان والے کراچی سے کاٹھیاواڑ روانہ ہوئے تھے ـــــ یا جب نیویارک میں جمیں نے اسے اس کے گھر سے باہر نکالا تھا۔ قرولباغ میں وہ اکثر راتوں کو جگ کر راحل کے لیے چپکے چپکے رویا کرتی تھی۔ اور صبح صبح آنگن میں لگے ہوئے نلکے پر جا کر آنکھوں پہ خوب اچھی طرح چھپکے ملتی تھی تاکہ اس کے باپ کو اس کے الم کا پتہ نہ چلنے پائے۔ مگر اس وقت ماؤنٹ لیونیا کے اس خوبصورت کمرے میں اس کے آنسو دیکھ کر پریشان یا رنجیدہ یا لیشمان ہونے والا کوئی نہ تھا۔ اس لیے وہ اطمینان سے بستر پر بیٹی رہی۔ اس کے سامنے سارا دن، ساری زندگی ساری دنیا خالی پڑی تھی۔ بھیانک، تاریک خلا کا طوفانی سمندر جس کا کہیں پہ کوئی کنارا نہ تھا۔ آٹھ بجے کے قریب بیرہ ناشتے لے کر

آیا، مہربان، شفیق مسکراہٹ والا بوڑھا سنہالی جو اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر متفکر نظر آیا کیونکہ وہ بھی دو جوان بیٹیوں کا باپ تھا۔ ٹرے میز پر رکھ کر وہ چپ چاپ باہر چلا گیا۔

دس بجے کے قریب تیار ہو کر اس نے ریزرویشن کے لیے ہوائی جہاز کے دفتر فون کیا اور نیچے ٹیرس پر اتر آئی۔ سمندر پر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کی چمک آنکھوں کو بری لگ رہی تھی۔ ساحل پر چند انگریز بچے ریت کے قلعے بنانے میں مصروف تھے۔ بہت دور مونگوں کے ہار بیچنے والی عورت سر جھکائے ایک سمت کو جا رہی تھی اور گیلی ریت پہ اس کے پیروں کے نشان بڑے واضح نظر آ رہے تھے۔ دن بڑا اجاڑ تھا۔ سارا ماؤنٹ لیونیا سارا کولمبو، ساری دنیا اجاڑ تھی، اجاڑ اجاڑ اجاڑ۔

چند منٹ ریلنگ کے سہارے کھڑے رہنے کے بعد اس نے طے کیا کہ دوپہر بھر شہر کا چکر لگاتی رہے اور پیکنگ کرنے کے بعد وقت سے بہت پہلے ہی ایئرپورٹ چلی جائے اسی وقت ہال پورٹر نے آ کر اس سے کہا کہ ریسیپشن میں اس کے لیے فون رکھا ہے۔

ہوائی جہاز کے دفتر نے اسے اطلاع دی تھی کہ مختلف کانفرنسوں میں آئے ہوئے مندوبین واپس جا رہے ہیں اس لیے تین دن تک جگہ ملنا بڑا مشکل ہے۔

اس نے بیگ کھول کر ٹریولرز چیک کے کتابچے پر نظر ڈالی چیک ختم ہونے والے تھے۔

"میڈم آپ نے کیلانیا مندر دیکھ لیا۔۔۔؟" ریسیپشن کلرک نے اس سے پوچھا "نہیں اب جا کر دیکھوں گی ۔۔۔ اس نے چونک کر جواب دیا اور باہر چلی گئی، پھاٹک پر آ کر اس نے ایک ٹیکسی والے کو اشارے سے بلایا۔

"کیلانیا ٹمپل "۔

"سوری میڈیم ——" اس نے سر ہلا کر کہا۔

"کیوں —؟

"شاید کرفیو لگ جائے، شہر میں ٹامل سنہالی جھگڑے کا اندیشہ ہے۔

اُو مائی گاڈ —— وہ ایک درخت سے ٹک گئی —— یہاں بھی —

اب کیا کروں —؟

یکایک اسے رتن سنگھ جے سوریہ کا خیال آیا۔ اسی اجنبی ملک میں وہ عرفان اور لیزلی مارش کے علاوہ صرف تیسرے آدمی جے سوریہ سے ملی تھی۔ شاید وہ کوشش کر کے ہوائی جہاز میں جگہ دلوا دے

اندر لوٹ کر اس نے جے سوریہ کو فون کیا۔ اس وقت جے سوریہ کے اخبار کے دفتر میں ایک ہنگامی کانفرنس ہو رہی تھی، ظاہر تھا کہ وہ اس کی آواز سن کر کافی متعجب ہوا۔

ہلو —— ہلو —— ڈاکٹر مہر جنڈانی —! کیسے یاد کر لیا؟

اس نے ریزرویشن کے متعلق پوری بات بتائی۔

او ہو —— بیٹھے —— اس وقت میں بے حد مصروف ہوں —— آپ نے صبح کا اخبار پڑھ لیا ہوگا۔

اس نے صبح کا اخبار نہیں پڑھا تھا۔

"اگر آپ ہی زحمت کر کے یہاں چلی آئیں —— مسٹر عرفان کب واپس جا رہے ہیں۔

"پتہ نہیں"

اوہ —— اچھا آجایئے —— میں آپ کا منتظر ہوں ——"

اخبار کے دفتر میں ہر شخص اپنے کام میں منہمک تھا۔ ٹیلی پرنٹرز

اور ٹائپ رائیٹروں کی لگاتار کھٹ کھٹ، سب اڈیٹروں اور رپورٹروں کی بھنبھناہٹ اور ٹیلی فون ایکسچینج پر بیٹھی ہوئی کالی لڑکی کی بے انتہا مصنوعی شیریں آواز میں یکساں لنکادیپ — گڈ مارننگ کی آواز نے اس کے دل کی ویرانی میں اور اضافہ کر دیا چند منٹ کے انتظار کے بعد چیف ایڈیٹر نے اسے اندر بلوا بھیجا۔ وہ ہال سے گذرتی ہوئی جے سوریہ کے کیبن میں داخل ہوئی ۔

وہ ایک لمبے چوڑے ڈیسک پر بیٹھا دو ٹیلی فونوں پر بیک وقت بات کر رہا تھا، اور بیچ بیچ میں انٹرکرم پر کچھ بولتا بھی جاتا تھا۔ وہ کونے میں رکھی ہوئی کرسی پر ٹک گئی ۔ جے سوریہ نے ایک طرف کا ٹیلی فون بند کرتے ہوئے گھومنے والی کرسی اسی کی طرف ذرا سی پھیر کر اسے ایسی عجیب نظروں سے دیکھا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو گئی — ڈرٹی اولڈ مین — اس نے شدید کراہت کے ساتھ زیر لب کہا جے سوریہ نے دوسرا ریسور بھی ہاتھ سے رکھ کر اسے مخاطب کیا ۔

" گڈ مارننگ ڈاکٹر میر چندانی —! اجازت دو تو تمہیں سیتا کہہ کر پکاروں — آرام سے بیٹھ جاؤ — کل رات مجھے عرفان نے ساری بات سنائی ۔

دوسرے فون کی گھنٹی بجی، اور اس نے فوراً اس پر تہالی میں گفتگو شروع کر دی ۔

سیتا کو چکر آ گیا — اس نے مضبوطی سے کرسی کا ہتھا پکڑ لیا اور چند لحظوں کے لیے سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیں — کیوں نہیں زمین پھٹتی تاکہ میں اس میں سما جاؤں — مگر چونکہ یہ سیتا اور ساوتری کی دنیا نہ تھی سکالی

یگ تھا، اس لیے نہ زمین پھٹی نہ سیتا اس میں سمائی دوسرے لمحے اس نے پرس سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ جلا لیا۔

پھے سوریہ فون پر بات ختم کر کے اس کی طرف مڑا "اوہ معاف کرنا ــــ میں نے تمہیں سگریٹ پیش نہیں کیا ــــ اس نے سیتا کو ذرا غور سے دیکھا ــــ وہ بے انتہا سفید نظر آ رہی تھی ــــ اس بے چاری کے اعصاب ضرورت سے زیادہ کمزور ہیں، اس نے دل میں سوچا پھر اس سے کہا "گھبراؤ مت ــــ میں عرفان کا پرانا رازدار ہوں شاید تمہیں معلوم نہیں کہ وہ اور میں جنگ سے پہلے کئی سال جرمنی میں اکٹھے رہے ہیں ــــ اس وقت تم تو بہت چھوٹی سی بچی رہی ہو گی ــــ" اس نے ایک بار پھر سیتا کو اپنی لرزہ خیز نظروں سے دیکھا ــــ عرفان کی نجی اور جذباتی زندگی کی کوئی بات مجھ سے چھپی نہیں ــــ تمہارا راز بھی میرے پاس محفوظ رہے گا۔ بعض دفعہ غیر انگلستانیوں پر بھی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

اچھا ــــ اب ایک خوش خبری سن لو ــــ آج کرفیو نہیں لگ رہا ہے۔ کافی پیو گی ــــ؟" اس نے گھنٹی بجائی۔

"نہیں ــــ شکریہ" سیتا کو اپنے سارے وجود سے اتھاہ نفرت محسوس ہوئی میں یہاں کیوں آئی

"میں ــــ ذرا ــــ وہ ــــ ہوائی جہاز کی سیٹ ــــ" اس نے شدید نقاہت کے ساتھ کہا۔

"شیور ــــ شیور ــــ مائی ڈیر ــــ مجھے فوراً کل کا اڈیٹوریل لکھنا ہے ــــ اپنے سیکرٹری سے کہتا ہوں"

وہ انٹرکوم کی طرف جھکا ــــ "آنا ــــ ذرا مارٹن کو بھیج دو ــــ اور تم آدھ

دوسرے لمحے اس کی سنہالی سکیرٹری اور کلرک اندر آئے۔ ان کے پیچھے نیوز ایڈیٹر لپکا ہوا آیا۔ اور ڈیسک پر جھک کر اس سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

ایک بار پھر جے سوریہ سیتا کی موجودگی فراموش کرکے اپنے کام میں منہمک ہو گیا وہ چند لحظوں تک بیٹھی چھت کو دیکھتی رہی پھر اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی ــــ اس کمرے میں گھنگھریالے بالوں اور گہری سانولی رنگت کا ایک تامل نوجوان کھڑکی کے پاس کھڑا نیچے سڑک پر ٹریفک دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ بھی جے سوریہ سے ملاقات کا منتظر تھا۔ سیتا نے زینے کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے کہ جے سوریہ کی سکیرٹری اسے بلانے کے لیے دوڑی آئی۔ اور اسے کیبن میں دوبارہ جانا پڑا۔ اتنے میں جے سوریہ نے انٹرکوم پر کہا ــــ آنا ــــ مسٹر راماسوامی کو آنے دو ــــ "

پردہ اٹھا اور وہی تامل نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے متبسم نظروں سے سیتا کو دیکھا اور دیوار سے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

اپنے اسٹاف سے باتیں کرتے کرتے کرسی سیتا کی طرف گھما کر جے سوریہ نے کہا۔ "سیتا یہ میرا بے حد شریر نوجوان دوست راماسوامی ہے ہمارے ملک کا شعلہ بیان کالم نگار ہے۔ ہمارے مخالف اخباروں کے لیے لکھتا ہے، لیکن مجھ ایسے فرقہ پرستوں سے بھی کبھی کبھار مل لیا کرتا ہے۔ ا بیٹھو رام ــــ ! ہماری ہندوستانی مہمان ڈاکٹر میر حیدانی سے ملو ــــ ہندوستانی ہونے کے ناطے ممکن ہے یہ تمہاری ہم خیال نکلیں ــــ !" اس تعارف کے بعد جے سوریہ پھر اپنی گفتگو میں منہمک ہو گیا۔

راماسوامی نے سیتا کو نمستے کیا اور بڑی شائستہ بے تکلفی سے اس سے باتیں کرنے لگا۔ کیا وہ بمبئی سے آئی ہے؛ اچھا ! دہلی سے ــــ وہ کبھی دہلی میں

نامہ نگار کی حیثیت سے کئی سال رہ چکا ہے — دہلی میں وہ فلاں فلاں۔ صحافیوں کو جانتی ہے — ا دغیرہ وغیرہ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کا آدھا خاندان مدراس میں رہتا ہے مگر وہ خود اوورسیز انڈین ہے۔"

اور اس وقت دفعتاً ایک بڑی انوکھی بات ہوئی — اجنبی سنہالیوں کے مجمع میں گھرے ہوئے، سیتا نے اپنے ہم عمر اس ٹامل نوجوان کے لیے ایک عجیب سی یگانگت محسوس کی — جس طرح صدیوں پرانے، ابدیت پرست پولونروا کے سنسان کھنڈروں کے درمیان اس نے جدید انسان — لیزلی مارش — کے لیے اس جذبے کو محسوس کیا تھا، کیونکہ وہ اس کی مانوس بیسویں صدی کی مغربی، مادہ پرست دنیا کا ایک فرد تھا۔ — پولونروا ابدیت تھی ڈاکٹر لیزلی ونسنٹ مارش تاریخی وقت — جس طرح اس لیزلی مارش کے مقابلے میں پہاڑی راستوں پر سے گذرتے ہوئے اس نے بالوں کے جوڑے بنائے اور سیر رنگ پہنے سنہالی کسان مردوں اور عورتوں کے لیے یگانگت محسوس کی تھی کیونکہ وہ اس کی اپنی تہذیب کا ایک حصہ تھا، اور لیزلی مارش غیر ملکی میمی، مغربی انسان تھا — جس طرح ماؤنٹ لیونیا کے ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے فیشن ایبل سیلونی مردوں اور عورتوں کے مقابلے میں پاکستان سے آیا ہوا عرفان بالکل اس کا اپنا معلوم ہوتا تھا — انسان اپنی پیچیدہ زندگی میں بیک وقت کتنی مختلف اور متضاد سطحوں پر زندہ رہتا ہے۔

اب راما سوامی بھی جے سوریہ کے ساتھ کسی بحث میں الجھ چکا تھا۔ کیبن میں باتوں کا شور بے حد بڑھ گیا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اچانک بے انتہا متوحش ہو کر وہ کیبن سے باہر نکلی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے سڑک پر آگئی۔

دو کانوں کے سامنے برآمدے میں بلا مقصد اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد وہ کتابوں کے اسٹال پر جا کھڑی ہوئی سٹال والے سے آئی اے سی کے دفتر کا پتہ دریافت کیا۔

چلئے میں آپ کو وہاں پہنچا دوں۔

اس نے پلٹ کر دیکھا راما سوامی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"شکریہ — مجھے صرف پتہ سمجھا دیں تو وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

تمہارے چلے آنے کے بعد مسٹر بے سوریہ بہت پریشان ہوئے کہ تم کہاں غائب ہو گئیں مگر اس ٹائل سنہالی کرائسس کی وجہ سے وہ اتنے چکرائے ہوئے ہیں کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ اس وقت جب تم اٹھ کر چلی آئیں تو وہ فون پر اپنے بڑے بھائی سے بات کر رہے تھے جو کابینہ میں وزیر ہیں۔ آج ان کی وزارت بھی خطرے میں ہے۔

وہ برآمدے میں سیتا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

یہ جھگڑا کیوں ہو رہا ہے۔" سیتا نے گھڑی دیکھتے ہوئے بے خیالی سے سوال کیا۔

آؤ اس منٹ کہیں بیٹھ کر کافی پی جائے۔ تم آج ہی دہلی واپس جانا چاہتی ہو؟"

وہ ایک قہوہ خانے میں داخل ہوئے جہاں یونیورسٹی کے طالب علم اور اخبار نویس زور شور سے بحثوں میں مصروف تھے۔ یہاں بھی بڑا شور ہو رہا تھا۔ وہ دروازے کے قریب ایک میز پر بیٹھ گئے۔ سیتا آہستہ آہستہ انگلیوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔ کتنا شور تھا ساری دنیا میں کتنا واویلا مچ رہا تھا۔

اوہ — معاف کرنا — میں ابھی آتا ہوں — اتنا کہہ کر رام تیزی سے مرشد آبادی ریشم کی ساری میں ملبوس ایک لڑکی کی طرف گیا جو اسی وقت

قہوہ خانے سے باہر جارہی تھی، دروازے کے نزدیک ٹھٹھک کر وہ دونوں چند منٹ تک جلدی جلدی ایک دوسرے سے کچھ کہتے رہے۔ لڑکی نے پلٹ کر قہر بھری نگاہوں سے سیتا کو دیکھا اور باہر چلی گئی۔ رام رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہوا واپس آکر بیٹھ گیا۔

یہ میری منگیتر تھی ـــــ سیتا کی سوالیہ نظروں سے نظریں ملا کر اس نے ذرا جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ وہ کتنا کم عمر اور جوشیلا تھا!

وہ اس کا ہمسن تھا، وہ اس کی زبان اس کا جوش اس کا جذبہ سمجھ سکتی تھی کیا مطلب ؟ اب نہیں ہے ؟' سیتا نے تبسم کے ساتھ پوچھا۔

اس کا انحصار تازہ ترین سیاسی صورتِ حال پر ہے۔

اگر تم کوئی حرج نہ سمجھو تو تمہیں سمجھاؤں کہ کس طرح۔ !!"

قہوہ کی پیالی کو اداسی سے دیکھتے ہوئے اس نے بتایا ـــ یہ لڑکی سنہالی بدھسٹ ہے ـــ کیونکہ وہ خود تامل ہندو گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اس سے لڑکی کے ماں باپ اس شادی کے خلاف ہیں۔ لڑکی بالکل غیر سیاسی ہے مگر وہ اسے ریجیکیٹ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس لڑکی کا باپ یو۔این پی۔ کا لیڈر بھی ہے اور اس کا سارا فیوڈل خاندان بے انتہا دولتمند، بے انتہا ایکسٹرنری اور بے انتہا امریکہ پرست ہے۔

پچھلے ہفتے میں اس سے لڑ بیٹھا ـــ میں مصر تھا کہ کسی دوسرے شہر بھاگ کر سول میرج کرلیں اور اس کے بعد کچھ عرصے کیلئے مدراس چلے جائیں۔ مگر وہ اس چیز کے لیے تیار نہیں۔ ڈرپوک گھریلو کہیں کی بجانے کیوں میں اپنی داستان سنا کر بور کر رہا ہوں تمہیں۔

مجھے اپنے متعلق اور بتاؤ ـــ" سیتا نے اس کے لیے قہوے کی دوسری

پیالی بناتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں نیٹیو لوگوں سے ملیں ؟"

سوائے جے سوریہ کے اور تو کسی سے نہیں ملی ، اور ایک ڈچ برگر لڑکی کا گانا سنا ۔"

یعنی مسٹر جے سوریہ کے علاوہ میں پہلا خالص نیٹو ہوں جس سے آپ کی مڈ بھیڑ ہوئی ؟ ـــــ ڈچ برگر یہاں کے اینگلو انڈین ہیں ـــ اتنے دنوں اور کیا کیا ۔"

بس سارا وقت تو ارا ایلیا میں گذر گیا۔

پھر تو تم صحیح معنوں میں غیر ملکی سیاح ہو! تمہیں مسٹر جے سوریہ نے اپنے ڈنر میں مدعو کیا تھا ۔

ہاں تمہیں کیسے معلوم ؟

" شاید تم کو اس کا اندازہ نہیں کہ کولمبو چھوٹا سا شہر ہے اور تم نے اس میں کافی کھلبلی مچا رکھی ہے میری ایک رفیق کار نے اپنے اخبار کے سوشل کالم میں تمہارا ذکر بھی کیا تھا ، ماؤنٹ لیونیا میں ٹھیری ہوئی دلفریب ہندوستانی خاتون جو بے انتہا خوبصورت ساریاں باندھتی ہیں ، وہ تمہارا انٹرویو بھی کرنا چاہتی تھی مگر تم کسی صورت دستیاب نہ ہو سکیں !"

"گڈ گاڈ !"

رام نے نظر بھر کر اسے دیکھا : تم مجھے پہلے کیوں نہیں ملیں ؟

خدایا ـــــ خدایا ـــ یہ بھی ـــــ

" میرا مطلب ہے ـــــ میں محض اتنا کہہ رہا ہوں کہ چند روز قبل تم سے ملاقات ہو جاتی تو میں تمہیں یہاں کی اصلی دھڑکتی ہوئی زندگی کی جھلک دکھاتا ، تمہیں ٹامل گھرانوں میں مدعو کرتا ، اپنی بہنوں سے ملواتا ۔

اور اپنی منگیتر سے نہیں'

"وہ میرے گھر کب آتی ہے" وہ پھر غمگین ہو گیا۔ اور میں یہ تمنا کر رہا ہوں کہ وہ اپنا محل چھوڑ کر میرے تین کمروں کے فلیٹ میں آرہے گی ۔ !! سیتا تم نے کینڈی کے فیوڈل طبقے کی اور یورپین پلانٹرز کی زندگی نہیں دیکھی۔ برطانیہ کی حسین ترین "کراؤن سالونی" واقعی ان لوگوں کے لیے جنت تھی، اور اب بھی ہے، تم تو مڈل کلاس ہونا۔

ہاں بلکہ لوئر مڈل کلاس"۔ سیتا نے جواب دیا۔

میری بے انتہا ارسٹوکریٹک ویلیا ابھی مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ تم ہندوستان کی کس فلائنگ مہارانی کو کافی پلا رہے ہو ۔ !!!

سیتا ہنس پڑی

"آج صبح کی خبریں تو بڑی پریشان کن ہیں۔ شمال میں اتنا فساد ہوا۔ اس نے رام کے ہاتھ سے اخبار لے کر کہا۔

میز کے برابر سے گذرتے ہوئے چند دوستوں کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ اتنا ید شکل سیاہ فام شخص، مگر اس کے چہرے میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کے دانت بے حد خوبصورت تھے۔ اور وہ ہنستا ہوا بڑا اچھا لگتا تھا۔ سیتا اسے بے دھیانی سے دیکھا کی ۔ "ہیں ۔ بتاؤ ۔" اس نے سر نیہوڑا کر کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا ۔ "تمہارے یہاں اتنا جھگڑا کیوں ہوتا ہے۔ ایک ملک کے باسی ہو کر آپس میں جھگڑتے ہو۔

" سب کچھ جانتے ہوئے اس قدر جہالت کا سوال شاید تم اس لیے کر رہا ہو کہ واقعی اب بہت بور ہو چکی ہو ۔ تمہارے لیے کافی اور منگوائی جائے ۔ بوائے بابوہ نے آواز دی ۔ "تمہارے یہاں جھگڑا کیوں ہوتا تھا۔ تم لوگ بھی ایک ملک کے باسی تھے۔ تم اور ہم دونوں سرمایہ دار بورژوا سیاست کے شکار ہیں

اس کے لہجے کی تلخی نے سیتا کو یاد دلایا ۔ ایک بار نیویارک میں جمیل کا تعارف ان کے بڑے بھائی کے ایک ہم وطن سے جب کرایا گیا تھا تو جمیل نے اسی تلخی کے ساتھ جواب دیا تھا ۔ جی نہیں ـــ میں اب بھی اسی ملک کا آزاد شہری ہوں جسے آپ حضرات چند سال ادھر جنت نشان کہتے تھے ۔

تم تامل لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مین لینڈ کی طرف دیکھتے ہیں ۔ جس طرح سارے اوورسیز چینی مین لینڈ چائنا کی طرف دیکھتے ہیں ـــ سیتا نے اس سے کہا ۔

میں نے دہلی کے اخباروں میں لنکا کے انڈین پرابلم کے متعلق سلسلہ وار مضمون لکھے تھے ، تم کو ان کی کٹنگ بھیجوں گا ـــ شام کو میرے گھر آکر کھانا کھاؤ

" ضرور رام ! تمہیں پتہ ہے میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں اوورسیز انڈین رہتے ہیں ان کو جاکر دیکھوں ـــ ویسٹ انڈیز ۔ ماریشس ـــ افریقہ ـــ فی جی ـــ ملایا ـــ اور جانے کہاں کہاں ـــ مدتوں سے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رہتے ہوئے ان کی زندگی کیسی ہوگی ان کی تہذیب ، طرز زندگی ، ان کی نفسیات میرا مضمون سوشیولوجی ہے ۔ اس کے علاوہ میرے دماغ میں کیڑا بھی ہے ! اس نے دوبارہ گھڑی پر نظر ڈالی ۔

" تمہیں کولمبو سے بھاگنے کی اتنی جلدی کیوں ہے ؟ تمہارے ایسے خوبصورت مہمان ہمارے یہاں روز روز کب آتے ہیں ۔

" کیوں ! ہمارے ہندوستانی فلم اسٹارز اور ڈانسرز تو یہاں اکثر آتے رہتے ہیں ! سیتا نے اس کی آواز کی بڑھتی ہوئی جذباتیت سے گھبرا کر بات نداق میں ٹالنا چاہی ۔

تمہیں پتہ ہے ـــ تم لنکا دیپ کے اس کمرے میں داخل ہوئیں تو مجھے

ایسا لگا جیسے کشمیر کی خوشگوار ہوا کا جھونکا کہیں سے آ گیا۔

"میں سندھی ہوں"۔

"ہاں۔ لیکن بالکل کشمیری معلوم ہوتی ہو!"

"سندھی بھی بد صورت نہیں ہوتے!"

وہ ہنسنے لگے۔ اس وقت — کولمبو کے ایک چھوٹے سے قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے دو نوجوان — ایک سیلونی" اور رسیز انڈین ٹامل — ایک ہندوستان سے آئی ہوئی پاکستان کی سندھی شرنارتھی — بیک وقت کتنے مسرور اور کتنے اداس معلوم ہو رہے تھے، — انہیں معلوم تھا کہ زمین ان کی آج کی نوجوان نسل کے قدموں کے نیچے سے سرک چکی ہے اور ساری دنیا کا مستقبل ان کی کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ کیا ان کے باپ یہ بات جانتے تھے کہ ان کی نسل کے سیاست دانوں کی بنائی ہوئی دنیا میں ان کے بچوں کو کیا کچھ سہنا پڑے گا۔

"چلو تمہیں کولمبو گھما دیا جائے" — رام نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مگر ایر لائنز کا دفتر —"

"جہنم میں جائے تمہارا ایر لائنز کا دفتر یہ لنچ ٹائم ہے سارے دفتر تین بجے تک بند رہیں گے — فکر مت کرو تمہیں کل ہوائی جہاز میں بٹھا دیا جائے گا"

"غالباً تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتیں کہ لوگ تم میں ادبدا کے دلچسپی لیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی حد تک تم بھی ان کا دل نہیں توڑنا چاہتیں — تم نے کونسی جگہ اب تک نہیں دیکھی —" ٹیکسی کا دروازہ بند کر کے رام پوچھ رہا تھا۔

"کیلانیا ٹمپل ـــ اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

مندر کی چڑھائی پر پہنچ کر چاروں طرف نظر ڈالتے ہوئے سیتا نے کہا۔

تمہارے یہاں کی سیاسی صورتِ حال جو کچھ بھی ہو مجھے تو پچھلے آٹھ دن سے برابر ایسا ہی لگ رہا ہے کہ میں جنوبی ہند میں ہوں۔ ویسے ہی مناظر ہیں اسی طرح کی کلچر ـــ وہ تھک کر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ دنیا میں اتنا ورائٹیوں چھپا ہے"

گائیڈ ـــ لیڈی ـــ؟ فرسٹ کلاس گائیڈ۔" ایک سنہالی نے اچانک کہیں سے نمودار ہو کر پوچھا۔

وہ سیڑھیوں پر سے اٹھی" تمہارے بدھسٹ مندروں میں اتنے ہندو دیوی دیوتاؤں کا زور کیوں ہے؟ اس نے عمارت کی طرف چلتے ہوئے سوال کیا۔ رام سر جھکائے خاموشی سے ساتھ آرہا تھا۔

یہ ہندو دیوی دیوتا لوگ لنکا میں ہمارے بدھ دھرم کے محافظ ہیں گائیڈ نے بڑے وثوق سے بتایا۔

لو سُن لو بھئی ـــ!! سیتا نے رام سے کہا اور اسے ڈاکٹر لینزلی مارش یاد آگیا۔

"پرتگالیوں کے آنے سے پہلے تک لنکا تہذیبی لحاظ سے بالکل ایک تھا۔ اور برطانوی تسلط سے قبل تامل سنہالی جھگڑے کا وجود بھی نہیں تھا۔ رام نے کہنا شروع کیا۔ مگر پھر اکتا کر چپ ہو گیا۔ نارنجی کپڑوں میں ملبوس بڑے بڑے تاڑ کے پنکھے اٹھائے بھکشوؤں کی ایک ٹولی سامنے سے گذری۔

تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔

کچھ نہیں، تم سوشیولوجسٹ ہو نا ـــ تم ابھی جنوبی ہند کی بات کر رہی تھیں۔ تم ٹھیک کہتی تھیں سنہالی طریقہ زندگی بنیادی طور پر ہندو طریقہ

زندگی ہے۔ مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدھ ازم یا کم از کم لنکا کی بدھ ازم محض ہندو مت کا ایک ورژن ہے یا اُسے علیحدہ مذہب اور کلچر سمجھا جائے سنہالی سماج کی بنیاد کاسٹ پر تھی، حالانکہ کاسٹ سسٹم بدھ ازم میں نہیں ہے۔ بہت سے سنہالی بدھسٹ ہندوؤں کے خداؤں کو پوجتے ہیں —— پھر قومی کلچر کیا ہے؟ خالص سنہالی قومی کلچر —؟ خالص ہندوستانی قومی کلچر؟ خالص پاکستانی قومی کلچر؟

میں نے جے سوریہ کے ڈرزمین اس روز ہین لینڈ سے آئے ہوئے چند ہندوستانی اور پاکستانی مہمانوں سے پوچھا تھا کہ کیا پاکستانی مسلمان وہی سوچتے ہیں جو سعودی عرب یا مصر کے مسلمان سوچتے ہیں۔ اور کیا ہندوستان کے ہندو عوام کا کلچر وہی ہے جو اشوک کے زمانے میں تھا؟ جب میں جے سوریہ سے کہتا ہوں کہ تم لوگ تاریخ کے ارتقاء کو کس رخ سے دیکھ رہے ہو تو وہ فوراً اہم جلاوطنوں کی نفسیات پر ایک تقریر شروع کر دیتا ہے۔

"یہاں برطانوی دور کی نئی مڈل کلاس نے ملازمتیں اور سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لیے ایجی ٹیشن کیا ہوگا۔ اور مڈل کلاس کے مختلف نسلی اور مذہبی فرقوں کے مفاد آپس میں ٹکراتے تھے —— سیتا نے پوچھا۔

"ہاں —— اب بدھسٹ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ لنکا کی تاریخ از سرِ نو لکھی جائے ایشیا کے ہر نئے ملک میں تاریخ از سرِ نو لکھی جا رہی ہے —— مگر تاریخی کو کس زاویے سے انٹرپریٹ کیا جائے گا۔

مندر کی پہلو کی دیوار پر دوسرے خداؤں کے ساتھ راون کے چھوٹے بھائی بھگوان دی بھیشن دانت باہر نکالے مسکرا رہے تھے۔ بھگوان دی بھیشن غریب چونکہ بھگوان ہونے کے باوجود راکھشس بھی تھے۔ اس لیے ان کے دو دانت باہر نکلے ہوئے تھے، گھر کے بھیدی یہی جاتے تھے۔ ! سیتا نے رام سے

کہا۔ اور پھر اسے اس اردو محاورے کا مطلب سمجھایا۔

اندر ہال میں آرٹ اسکول کا ایک طالب علم فریسکوز کی نقل آتارنے میں مصروف تھا رام کو اس سے باتیں کرتا چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

برابر کے کمرے میں گوتم بدھ کے بے تحاشا طویل لیٹے ہوئے مجسمے کے قدموں میں پجارنوں میں سے کسی ایک کا ننھا سا بچہ میلے سے کپڑے میں لپٹا میٹھی نیند سو رہا تھا۔ اور اس کی ماں ٹھنڈے مرمریں فرش پر سجدے میں پڑی تھی۔

راہل۔ راہل۔ راہل۔

بہت آہستہ آہستہ اور احتیاط سے قدم رکھتی کہ کہیں اس کے پیروں کی آہٹ سے بچہ جگ نہ جائے وہ دوسرے کمرے میں گئی جہاں ایک اور سنہری گوتم بدھ حسبِ معمول کھلے ہوئے کنول پہ سکون سے بیٹھے تھے۔ وہ ذرا کی ذرا آنکھیں بند کر کے مورتی کے سامنے مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی — چند گھنٹوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔

"سامنے عرفان کھڑا تھا۔"

۱۷

اس نے خاموشی سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور دیوار کی تصویروں کو غور سے دیکھنے لگی۔

عرفان آگے بڑھا — سیتا — سنو — دیکھو — بات سنو — گوتم بدھ امن کے شہزادے تھے — میں ان کے سامنے جھک کر تم سے معافی مانگتا ہوں۔

— سیتا مجھے معاف کر دو — مجھے معاف کر دو — سیتا —

وہ فریسکوز پر نظریں جمائے رہی۔

سیتا — سن رہی ہو — ؟ سیتا — سیتا — سیتا —

۱۸

کل سے تو میں حضورِ قلب حاصل کرنے مہاتما بدھ کے مندر میں گیا تھا مگر آج میری موڈ اتنی ڈرامائی نہیں ہے ـــــ لہٰذا آج شام کو چلو شہر کو سرخ رنگ دیں ماؤنٹ لیونیا کی بالکنی پر جھکے ہوئے عرفان نے تجویز کیا۔

"چلیئے ـــــ" سیتا نے بشاشت سے جواب دیا۔

لٹل ہٹ جا کر چینی کیبرے دیکھیں گے ـــ سارے نائیٹ کلبوں میں جائیں گے"۔

"جائیں گے"۔

"سان مشیل جا کر ڈچ برگر لونڈیا سے اپنی فرمائش کے گانے سنیں گے"۔

"سنیں گے"۔

"زو میں جا کر ہاتھی کو ہارمونیم بجاتے دیکھیں گے"۔

"دیکھیں گے ـــــ"

"مگر تمہیں تو اپنے جرنلسٹ دوست کے گھر جا کر اوورسیز اور اسٹیٹ لیس ہندوستانیوں کے مسائل کے تجزیے کی پروجیکٹ پر کام کرنا تھا۔"

"اوہ عرفان ——— واقعی ——— !!" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"تم بھی کیسے کیسے بھانت کے لوگوں کو کہاں کہاں سے پک اپ کر لیتی ہو! کمال ہے!!" عرفان کے لہجہ میں کوئی طنز کوئی تلخی نہیں تھی، وہ ایک بے تکلف ساتھی کی طرح بات کر رہا تھا ——— جو حاسد، بدگمان، شکی، کم ظرف عاشق نہیں تھا بلکہ محض ایک پرانا دوست تھا ——— انسان جس طرح لحظہ بہ لحظہ مختلف ہوتا رہتا ہے۔

"ارے بھئی اپنے اس ستوماں کو فون تو کر دو کہ نہیں آسکتیں اس کے ڈنر پر۔"

"ستوماں کون؟"

"وہی تمہارا راما سوامی اپا سوامی کون ہے ———"

یہ واقعہ تھا کہ اس وقت تک وہ راما سوامی کو بالکل بھول چکی تھی، عرفان نے اسے کب کا واپس بلا لیا تھا، راما سوامی کی کم سنی، سیاسی ہم خیالی، تہذیبی یگانگت ہر چیز اس کے دماغ سے کیلانیا کے مندر ہی میں محو ہو گئی تھی ——— دنیا میں آدمی صرف ایک تھا ——— عرفان ——— عرفان ——— اول و آخر ——— عرفان ——— پرسوں شام جب عرفان نے اس کی توہین کی تھی اور اس کی روح اور اس کے دل و دماغ کے پرخچے اڑا دیے تھے ——— کل رات ——— جب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو تی رہی تھی ——— وہ خوفناک صبح جب اسے جے سوریہ کے دفتر میں بیٹھنا پڑا تھا ——— وہ اجاڑ دوپہر جب اس نے راما سوامی کے ساتھ سگرٹوں کے دھوئیں سے بھرے ہوئے قہوہ خانے میں سیلون کی سیاست پر باتیں کی تھیں ——— وہ سب یکسر اس کے ذہن سے محو ہو گیا۔

——— لحظہ ——— حال ——— لحظہ جو موجود ہے ——— جو تمہارے ہاتھ میں ہے ——— اسے

تھامے رکھو ——— مضبوطی سے تھامے رکھو ——— کیونکہ دن اور رات تیزی سے سرکتے جارہے ہیں۔

وہ عنقریب ختم ہونے والا ہے۔

۱۹

اس رات عرفان نے لٹل رِٹ سے لوٹتے ہوئے پہلی مرتبہ جمیلی کا ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ لڑائی والی رات اس نے بارہ بجے یہ بتانے کیلئے فون کیا تھا کہ جمیلی سے ملاقات تو ہوئی تھی مگر ان کے ہاں کچھ اور لوگ آ گئے اسلیے کوئی بات نہ ہو سکی لیکن کل شام کو تو وہ ضرور بالضرور جمیلی سے مل رہا ہے۔

"میں آپ کی ان ملاقات کی کوششوں اور ملاقاتوں سے اتنی بور ہو چکی ہوں کہ اب مجھے قطعی کوئی پروا نہیں۔" سیتا نے بے دھیانی سے جواب دیا۔ "میں اب جاتی ہوں دِلّی واپس۔"

لیکن اس کے دوسرے روز صبح ہی صبح اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کیا ہے؟" وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی —— اور جا کر دروازہ کھولا۔

"اچھیں ——" عرفان پھینکتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ارے! آپ کیسے ہیں ——؟" سیتا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں —— فکر نہ کرو —— قمر والا حشر میرا نہیں ہوا —— دراصل کل رات بہت دیر تک سمندر کے کنارے ٹہلنے کی وجہ سے زکام ہو گیا —— ہوا بہت تیز تھی۔"

"اچھا —— تو آپ سمندر کے کنارے ٹہلے ——! کس کے ساتھ؟"

"ہیلو ——!" عرفان نے اسے غور سے دیکھا صوفے پر بیٹھ کر وہ خوش دلی سے ہنسا۔ "تمہارے شوہر نامدار کے ساتھ —— وہ بے انتہا اچھی موڈ میں تھا۔" بھئی بہت لطف آیا —— تمہارے میاں سے بہت دوستی ہو گئی ہماری —— تو بہ چیز ہیں، وہ سگریٹ جلانے کے بعد خوب ہنسا۔

"بات تو بتائیے ——" سیتا نے تکیوں کے سہارے اوندھے لیٹ کر سوال کیا۔

عرفان اسی طرح بشاشت سے ہنستا رہا "ارے بھئی تمہارے پران ناتھ کا جواب نہیں —— واللہ! —— کل شام جب میں گال فیس پہنچا تو انہوں نے مجھے اوپر اپنے کمرے میں بلا لیا۔ بھائی حسبِ معمول بہت سخت ڈرنک تھے نہ سلام نہ دعا چھوٹتے ہی انہوں نے مجھے 'پدماوت'، 'کارو سنگلدیپ کھنڈ' سنانا شروع کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ملک محمد جائسی کی روح آپ ہی میں حلول کر گئی ہے —— دوہے پڑھتے جاتے تھے اور تم کو یاد کر کر کے زار زار روتے تھے جب 'سنگلدیپ کھنڈ' پڑھ چکے تو اپنی موجودہ بیوی کی تصویر دکھائی اور علامہ اقبال کے اسپین والے اشعار پڑھنے لگے ——"

موجودہ بیوی کے ذکر پر عرفان نے محسوس کیا کہ سیتا کے چہرے پر ایک ہلکا سا بادل گھر گیا —— اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی —— عرفان نے ذرا گڑبڑا کر کہا، "سیتا —— تم ناشتہ کس وقت کرتی ہو ——؟"

"ناشتے کی فکر مت کیجیے ـــــ بات بتائیے ـــــ"

"اچھا صاحب ـــــ" اس نے حلق صاف کیا ـــــ اس کے بعد جمیل صاحب بو تھے ان کے اندر تلسی داس جی کی روح حلول کر گئی اور انھوں نے رامائن کی چوپائیاں دے دنا دن پڑھنا شروع کر دیں ـــــ اس شخص کو ان گنت چوپائیاں ازبر ہیں ـــــ واقعی تم نے کس کریک سے شادی کر لی تھی!"

سیتا کو یہ بات بہت ناگوار گذری ـــــ وہ بالکل کریک نہیں ہیں لٹریری آدمی ہیں ـــــ آپ جیسے گھٹس لوگ بدماوت اور رامائن کیا جانیں ـــــ"

"اوہو ـــــ خفا ہو گئیں، ارے بھئی تم حکم دو تو میں ساری مہابھارت، سارا کالیداس، سارا دیوان حافظ، سارا شیکسپیئر، سارا ایلیٹ جو چاہو سنا دوں ـــــ مگر میں اس فراڈ میں یقین ہی نہیں رکھتا ـــــ تم عورتیں ان ہی چیزوں کے چکر میں آ کر تو بے وقوف بنتی ہو ـــــ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ زبردست شاعر اور افسانہ نگار لوگ جو محبت اور زندگی کے حسن کی تعریف میں ہزاروں صفحے سیاہ کرتے ہیں۔ اور جانے کیا کیا زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں گھروں کے اندر اپنی بیویوں سے ان کا سلوک کیسا ہوتا ہے؟ چلو ـــــ خیر ـــــ اچھا تو بھئی رامائن کے بعد وہ پھر سنگلدیپ کھنڈ پر لوٹ آئے ـــــ اور اب کی دفعہ ساتھ ساتھ مجھے ڈانٹتے بھی گئے کہ میں بھی اتنی ہی زیادہ شراب، کیوں نہیں پی رہا ـــــ پھر ایک ایک دوہا دس دس مرتبہ مجھ سے بھی پڑھواتے ـــــ کیا کمال کا آدمی ہے واللہ ـــــ گریٹ مین ـــــ بہت بھلا آدمی ہے بیچارہ ـــــ"

عرفان اپنے اکسائٹمنٹ میں اٹھ کر دریچے کے قریب چلا گیا۔ وہ بے حد خوش تھا ـــــ

"ایک، دو، دو ہے تم بھی سنو گی ـــــ؟" اس نے پلٹ کر سیتا سے پوچھا۔

"نہیں ــــــ"

"نہیں کیسے ــــ سنا پڑیں گے ــــ تم کو شکایت ہے کہ میں لٹریری نہیں ــــ"

اس نے ٹہل ٹہل کر حلق صاف کیا۔ "کہتا ہے استاد کہ ؎

سنگل ویپ کتھا اب گاؤں۔

ادسو ہد من ہرن سناؤں۔

ــــ سناؤں ــــ ؟"

"نہیں ــــ"

"اجی تمہارے تو اچھے بھی سنیں گے۔ جیسے تمہارے میاں نے میرا کونڈہ شریف کیا ہے، میں تمہارا کونڈہ شریف کیوں نہ کروں ــــ لو سنو ــــ بیچارے جمیل نے باقاعدہ رو رو کر سنایا ؎

راگھو جو سیتا سنگ لائی ــــ راون ہری کون سدھ پائی

یہ سنسار سپین کر لیکھا ــــ بچھڑ گئے جا تو نہہ دیکھا۔

ہائے ہائے ــــ اور سنو ؎

سنگلدیپ جو نانہہ نیہا ہو ــــ یہی ٹھانو سانکر سب سا ہوئے

ہا ــــ اس کا کچھ اندازہ تو مجھے بھی ہے ــــ!"

سیتا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ وہ اپنے جوش میں ٹہلتا ٹہلتا پھر دریچے کے پاس چلا گیا اور اس کے نچلے پٹ پر کہنیاں ٹیک کر دوہے پر دوہا سناتا رہا۔ وہ واقعی اس قدر خوش تھا جیسے کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آیا ہو ــــ سیتا نے اسے آج تک اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔

"اور سنو کیا کہہ گیا ہے ظالم ــــ

محمد جیون جل بھرن رہنٹ گھری کی ریت

گھری جو آئی جیون بھری ڈھری جنم گا بیت

لہ سنگلدیپ جیسے مقام پر کیسے پہنچو گے۔ یہ مقام تو سب کیلئے دشوار گذار ہے۔

لہ اے محمدؐ! یہ زندگی گھڑی کا رہٹ کی مانند ہے جس میں پانی بھرتا ہے اور ڈھلتا رہتا ہے۔ گھڑی کا پانی بھرتا گویا زندگی ہے اور پانی کا ڈھلنا موت۔

آپ پر بھی میرے پپّی کی کرکیٹ کا اثر ہوگیا ہے ــــ" اس نے عاجز آکر کہا ــ

اب اصل بات کی طرف آئیے ــــ"

اور سن لو ــــ سُن لو ــــ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی ــــ ارے ہائے ہائے

" وہ اس کی سنی ان سنی کر کے کہتا رہا ۔ ے

یہ جو دیپ اندھیرا لو جھا ‎ ‎ ہی کی جوت دیپ جو سُوجھا

جگ اجیار کا کیجیے لبا ‎ ‎ جو پی ناہیں استھر و سا

" کیا مطلب ــــ؟" سیتا نے دریافت کیا۔

کہتا ہے ملک محمدؐ کو دل کی روشنی میں سنگلدیپ نظر آیا ــــ اور اس تاریک دنیا میں بالکل اندھیرا تھا۔ جب محبوب ہی بس میں نہیں تو دنیا آباد ہو یا ویران ــ اور سنو ــــ" وہ اچک کر لکھنے کی میز پر بیٹھ گیا۔ ے

محمدؐ چنگ پیم کی سن مہہ گگن ڈرائے۔

دھن برھن او دھن ہیا جہہیں یہ آگ سمائے

پھر اس نے سیتا کو اس دوہے کا مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور منہ لٹکا کر خاموش ہوگیا۔

آپ بھی بڑے گنوان نکلے ــــ!" سیتا نے کہا۔

اس نے جھک کر تسلیم کی۔" ارے تم کو کیا پتہ ہمیں بڑا زبردست چھپا رستم ہوں کیا

لہ اے محمدؐ! محبت کی چنگاری سے تو زمین اور آسمان تک ڈرتے ہیں آفرین ہے محبت کرنیوالے اور اسکے دل پر جس میں یہ آگ سماتی ہے۔

سمجھتے ہو خالی تمہارے جمیل خاں ہی استاد ہیں؟"

"آپ دیوانے ہیں بالکل ——!" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"سیتا ——"

"جی —— ؟"

اب وہ یکبارگی بیحد سنجیدہ ہو کر غور سے اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے اپنا اضطراب چھپانے کیلئے قلمدان میں رکھی ہوئی پنسلوں کی کھیلنا شروع کر دیا ——

"سیتا ——" اس نے دوبارہ کہا۔

"جی —— ؟ جمیل نے —— جمیل نے کیا کہا ——" سیتا نے سانس روک کر پوچھا۔

"جمیل کو میں نے ساری بات سمجھائی، آدھی رات کو جب میں نے ان کو سمندر کی ٹھنڈی ہوا کھلائی تو وہ سو بر ہو چکے تھے —— میں نے ان سے کہا کہ تمہیں طلاق دے دیں —— کیونکہ —— کیونکہ —— میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں —— سچویشن بیحد گھسی گھسائی پٹی پٹائی ہے نا —— ؟ مگر تم پاکستان نہیں آؤ گی —— یا آجاؤ گی —— ؟"

گھڑی کی ٹک ٹک تیز ہو گئی۔ باہر سمندر کا شور یکلخت بڑھ گیا چند لمحوں کے کامل سکوت کے بعد سیتا نے کہا۔

"آپ نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ میں ——"

"میرا فرض کرنا نہ کرنا قطعاً میرا اپنا فعل ہے —— اور میں جہاں تک میرا خیال ہے، اپنے فعل کا مختار ہوں۔ آپ میرے سوال کا جواب دیجیے مہربانی فرما کے ——"

"آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔"

"کہاں —— ؟ کمرے سے باہر —— ؟ چلا جاؤں گا ایک دفعہ تم پہلے ہی نکال چکی ہو۔ ویسے یہ سمجھ لو کہ میں آدمی ہوں کافی ڈھیٹ —— اور جانے یہ کیا مصیبت ہے کہ اب تم پر غصہ نہیں آرہا —— پیار ہے کہ آئے چلا جاتا ہے —— سنو —— اگلے مہینے میں

پیرس پہنچ رہا ہوں — تم ایک کام کرو —" اس نے بے انتہا نروس ہو کر پھر پنسلوں سے کھیلنا شروع کر دیا — "تم یہ کرو کہ وہاں آجاؤ —"

وہ پلنگ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی "جو ہو گا دیکھا جائے گا — اب جائیے —"

"اچھا — ایک دوہا اور سُن رکھو اور اس پر غور کرنا —" دروازے میں جا کر اس نے کہا ؎

محمدؔ مدھ جو پیم کا ہیے دیپ سنیہہ راکھ!
سیس ندی پتنگ جیوں تب لگ جائے نہ پاکھ [1]

---

[1] اے محمدؔ! محبت کی شراب سے دل کا چراغ روشن کر، پروانے کی مانند جب تک سر نہ دے دیا جائے، تب تک اس کے پاس کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔

۲۰

اور جب کام دیو شمبھو کی تسخیر کے لیے چلا تو سارے مقدس صحیفے بیکار ہو گئے، تزکیۂ نفس، صبر، سنیاس، فرض، معرفت، علم، بے نیازی سب میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خرد کتابوں میں جا چھپی ـــــ رتی کا پتی اپنا تیر کمان سنبھالے اس قدر غضب میں کس کو اپنا شکار بنانے جا رہا ہے؟ ساری کائنات محبت میں گرفتہ ہو گئی درخت جھک کر بیلوں پر چھا گئے ـــــ ندیاں سمندر سے جا ملیں جل تھل ایک ہوئے۔ ـــــ چرند اور پرند دیوتا اور عفریت، انسان اور ناگ، لطیف ارواح اور غول بیابانی

مرگھٹ کے بھوت اور سادھو سنت سبھی اس کے طلسم میں مبتلا ہوئے۔

خردمند جو اب تک دنیا کو برھما کا سایہ سمجھتے تھے۔ ساری دنیا اب ان کو عورت کے روپ میں نظر آنے لگی ـــــ اس عالم میں کام دیو شمبھو کے قریب پہنچا۔[1]

---

[1] رامائن از تلسی داس

اور کالیداس نے لکھا ہے — کہ اس سمے مدن بان پر جو آم کی کلیوں سے سجا تھا۔ بہار سے شہد کی سیاہ مکھیاں اس طرح بٹھال دی تھیں گویا وہ خیال سے پیدا ہوئے خدا کے نام کے حروف تھے۔ ہلال کے ایسے پھول ناخنوں کے نشان کی مانند تھے جو بسنت رُت کے لپٹنے سے جنگل کے بدن پر پڑ گئے تھے — بہار نے تلک کا پھول لگا کر بھنوروں کے سیاہ کاجل سے مزین ہو کر اپنے ہونٹوں کو (جو آم کے بور تھے) صبح کے آفتاب کی سرخی سے سجایا۔

پیال کے درختوں سے گرتے زر گل سے ہرنوں کی آنکھیں دھندلا گئیں اور وہ جنگل کے پتوں پر کلیلیں بھرتے پھرے — کوکل کی آواز خود محبت کی آواز بن گئی — کوکل کی آواز جو مغرور عورتوں کی سرد مہری کو توڑنے میں بڑی ماہر ہے — مدن کے حکم سے درخت ساکت، بھنورے خاموش، چڑیاں چپ چاپ، ہرن سکوت میں کھو گئے — سارا جنگل دلیا دکھائی دینے لگا۔ جیسے ایک بڑی سی تصویر ہو —

۲۱

پیرس میں سیتا اور عرفان کئی مہینے تک رہے۔ عرفان کے پاس بولوار فوش میں ایک بڑا خوبصورت فلیٹ تھا جسے سیتا نے اور بھی زیادہ نفاست سے سجایا۔ عرفان صبح کو دفتر چلا جاتا۔ سیتا بازار سے سودا خرید کر لاتی۔ کھانا تیار کرتی۔ عرفان کے کپڑوں پر استری کرتی، گھر کی صفائی، جھاڑو بہارو کرتی، شام کو وہ کام سے لوٹتا تو جلدی سے اسکے گرم سلیپر اس کے صوفے کے نیچے آتشدان کے پاس رکھتی۔ سونے کے وقت سے بہت پہلے اس کے سلیپنگ سوٹ کو گرم پانی کی بوتل پر لپیٹ کر اس کے بستر پر رکھ دیتی۔ وہ ایسی مکمل اور سکون بخش اور آرام دہ ہاؤس وائف تھی کہ عرفان کو تعجب ہوتا تھا۔

وہ روزانہ صبح کو ڈاکیے کا بڑی شدت سے انتظار کرتی تھی۔ شاید آج نیویارک سے اس کا طلاق نامہ آجائے ــــ شاید ــــ مگر دن گذرتے گئے اور طلاق نامہ نہ آیا۔

وہ کولمبو سے دلی واپس جا کر کسی سے نہیں ملی تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ سے کہا تھا کہ اسے پیرس میں ملازمت مل گئی ہے اور وہ جا رہی ہے۔ وہ لوگ اب اسے کچھ نہیں کہتے تھے، نہ کسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ اس طرح کی باتوں کا وقت کب کا نکل چکا تھا۔ پیرس جانے سے ایک روز قبل اس نے کناٹ پلیس سے بلقیس اور ہما کو فون پر خدا حافظ کہا تھا۔

"اب کب تک آؤ گی ——؟" بلقیس نے پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہاں میرا دل نہیں لگتا اور اگر ایک دفعہ یورپ پہنچ گئی تو وہاں سے نیویارک جانے میں آسانی رہے گی —— راہل کو دیکھنے ——"

ٹھیک کہتی ہو ——" بلقیس نے جواب دیا تھا —— "مگر کبھی کبھار خط تو لکھ دیا کرنا!"

"برابر لکھوں گی ——"

بلقیس نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ پیرس کیوں جا رہی ہے۔ اسے معلوم تھا۔ پیرس میں سیتا کا بغیر شادی کئے عرفان کے ساتھ رہنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ بائیں ساحل پر اس طرح کے ان گنت جوڑے برسوں سے رہتے آئے تھے اور جن کا قانونی طور پر بیاہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

چھٹی کے روز وہ سین کے کنارے ٹہلنے جاتے کارتیہ لاطین میں آوارہ گردی کرتے کسی قہوہ خانے میں سیاہ کافی پیتے ہوئے وہ سوچ میں ڈوب جاتی تو وہ اس سے پوچھتا —— "کیا سوچ رہی ہو ——؟"

"میں اب سوچنا ختم کر چکی ہوں۔ صرف محسوس کرتی ہوں۔" وہ سر اٹھا کر جواب دیتی۔

کسی پل کی منڈیر پر جھک کر باتیں کرتے کرتے وہ یکلخت خاموش ہو جاتی تو وہ اسے سگریٹ پیش کر دیتا —— "لو سگریٹ پیو —— لگے دم —— مٹے غم۔"

ایک دفعہ عرفان نے اس سے کہا۔ "تم سے ماورا ایک اور تم ہو —— جب تم دفعتاً

چپ سو جاتی ہو میں پھر اکیلا رہ جاتا ہوں — تم مجھ سے ہزاروں میل دور چلی جاتی ہو۔ تم بلندی پر ہوتی ہو میں تمہاری باتیں سمجھنا چاہتا ہوں، مگر ڈر لگتا ہے"۔ کبھی کبھی وہ اپنی طویل خاموشیوں سے جھنجلا کر خود کہتی — "عرفان — باتیں کرو"۔

"باتیں کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے —" وہ جواب دیتا۔

خزاں کے موسم میں وہ دونوں اسپین گئے۔ وہاں مسجد قرطبہ کی سیڑھیوں پر چاندنی رات میں انہیں ایک پاکستانی طالب علم ملا جس نے بے حد پیاری آواز میں گٹار پر اقبال کی نظم سنائی ؎

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات۔

سلسلۂ روز و شب اصل حیات ممات

"اب مجھے اس کا مطلب سمجھاؤ"۔ سیتا نے عرفان سے کہا۔

بہت دیر تک اشعار کی تشریح کرنے کے بعد عرفان نے جھنجلا کر اس سے کہا۔

"تم اپنا کالیداس، تلسی داس کرتی رہو۔ اقبال تمہارے بس کی بات نہیں"۔

ایک روز امریکہ سے ایک خط آیا۔ اس نے کھول کر پڑھا اور پھر خاموشی سے کپڑوں پر استری کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"سیتا —" عرفان نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا۔

"کیا ہے —" اس نے چڑ کر کہا اور استری کا سوئچ بند کر کے دریچے میں چلی گئی۔

؎ آپ آہ دچشم ہیں آنو نہیں ہم سے وحشت کی نہ لیجیے آئیے!"

عرفان نے آتشدان کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف باہیں پھیلا کر کہا

وہ اسی طرح دریچے کے باہر دیکھتی رہی۔

"سیتا کیا بات ہے۔ مجھے بتاؤ"۔

"کچھ نہیں عرفانی ــــــ" اس نے مڑ کر جواب دیا ــــــ "امی کا خط نیویارک سے آیا ہے ــــــ وہ لکھتی ہیں کہ اب وہ کس کس کے ناموں کے نکتے تبدیل کریں گی؟"

وہ خاموش رہا۔

"عرفان ــــــ میرا خیال ہے ہم نے بہت سخت غلطی کی ہے۔ میں کب تک اس طرح تمہارے ساتھ رہتی رہوں گی؟"

"کیوں؟" وہ کھوکھلی ہنسی ہنسا ــــــ "بہت ہی جلدی میں گھبرا گئیں ــــــ؟ گیری نندنی اوما نے تو شمبھو سے بیاہ کرنے کیلئے ایک ہزار برس تپسیا کی تھی ــــــ کمار سمبھو پڑھو۔"

"مجھے نہیں چاہیئے تمہارا کمار سمبھو ومبھو ــــــ" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاہا ــــــ اب آیا تمہاری عقل میں۔ میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا سارا کالی داس، والی داس شاعری، ادب، فلسفہ، سب فراڈ ہے ــــــ زندگی کی تلخ حقیقتوں کے سامنے سب خرافات معلوم ہوتا ہے کہ نہیں؟"

آخر اس نے ایک دن ڈرتے ڈرتے بلقیس کو خط لکھا، پیرس کے موسم کا ذکر کیا فرخندہ باجی اور چھوٹی خالہ کی خیریت دریافت کی مگر یہ پوچھنے کی پھر بھی ہمت نہ پڑی کہ جمیلی نے ان لوگوں کو اس کے متعلق لکھا ہے یا نہیں۔

بلقیس کا فوراً نہایت تفصیل جواب آگیا۔ بڑا نارمل اور بشاش اور غیر شخصی سا خط تھا، جو کسی نجی تذکرے کے بجائے محض تھیٹر کی تازہ ترین خبروں سے پُر تھا۔

ــــــ اپٹا کی آٹھویں سالانہ کانفرنس کا اس سال ڈاکٹر رادھا کرشنن نے افتتاح کیا بہت سارے روسی ڈیلیگیٹ بھی آئے تھے۔ گوپی ناتھ بھی ناچا۔

ــــــ اس مرتبہ نٹ راج نگری میں تم بہت یاد آئیں۔

ــــــ انڈین آرٹ تھیٹر نے "خیال میرزا" اسٹیج کیا ہے۔ اچھا خاصا ہے۔

—— "نئی نوٹنکی" والے نوٹنکی کی طرز پر "مٹی کی گاڑی" پروڈیوس کر رہے ہیں۔ خاصا دلچسپ تجربہ رہے گا —— للتا کل تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔
—— بمبئی کا لٹل بیلے گروپ میگھ دوت اسٹیج کرنیوالا ہے —— آہ

لہ انڈین پیپلز تھیٹر ایسوسی ایشن

کالیداس! کالیداس!! —— "شکنتلا" —— "آگرہ بازار" —— "مٹی کی گاڑی" —— ھما چل پردیش کے فوک آرٹسٹ —— خط بے دلی سے ایک طرف پھینک کر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔

عرفان کے ساتھ رہتے ہوئے اسے یہ بات واقعی کسی دوسرے کرے کی خبریں معلوم ہو رہی تھیں۔

ایک مہینہ اور گذر گیا۔

"عرفان اب بتاؤ میں کیا کروں ——؟" اس نے عاجز آکر سوال کیا۔

"پھر بلقیس کی خوشامد کرو اور کیا ——؟" اس نے ذرا بے پروائی سے جواب دیا اور کوٹ پہن کر دفتر چلا گیا۔

چنانچہ دریچے کے سامنے بیٹھ کر سیتا نے بلقیس کو لکھنا شروع کیا۔

"میں جمبئی سے کولمبو میں بات نہیں کر سکی۔ بات کرنا تو درکنار ان کی ایک جھلک بھی دیکھ نہ پائی۔ تم ٹھیک کہتی تھیں۔ یہ جنگلی بطخ کا تعاقب تھا۔ خدا کے لیے انہیں لکھو کہ مجھے جلد از جلد آزاد کر دیں۔ وہ مجھے کافی سزا دے چکے ہیں۔"

اور یکبارگی اس کے آنسو ٹپ ٹپ کاغذ پر گرنے لگے۔ وہ صفحے پر صفحہ لکھتی چلی گئی اور ایک لمبا سانس لے کر لفافہ بند کر دیا۔

اس خط کے جواب میں بلقیس نے لکھا۔

"تم کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ ہلونت کارگی کا "سوہنی مہینوال" ماسکو میں چھ مہینے

سے چل رہا ہے —— پٹنے کے اپٹا والوں نے تال کٹورہ ڈرامہ فیسٹیول میں اب کے سے اپنا ڈرامہ "پیر علی" دکھلایا۔ اس کا ایک ایکٹر تمہارا پرانا کلاس فیلو نکلا، تم کو اس نے سلام کہلوایا ہے

"میرا نانی سارا بھائی گجراتی میں نوہ تمثیلیں پروڈیوس کر رہی ہیں۔

یونٹی تھیٹر والے فیروز شاہ کوٹلہ کے اوپن ایر تھیٹر میں "اورنگزیب" اسٹیج کرنے والے ہیں۔

اور آغا حشر کی تجدید کے سلسلے میں تم یہ جان کر خوش ہوگی کہ دہلی پلے ہاؤس والے "رستم وسہراب" پیش کر رہے ہیں۔

ایک شام سینما سے واپس آ کر وہ اپنے فلیٹ میں داخل ہونے لگے تو کونسی ارژ[1] نے ایک کیبل سیتا کے ہاتھ میں تھما دیا۔ عرفان تالا کھول کر اندر جا چکا تھا۔ سیتا نے دہلیز پہ کھڑے لفافہ چاک کیا۔ اس کے بھائی کی طرف سے اطلاع ملی —— "ڈیڈی گزر گئے ——"

جب عرفان کپڑے تبدیل کر کے سٹنگ روم میں آیا اس وقت وہ آتشدان کے سامنے دوہری ہوئی بیٹھی تھی اور آہستہ آہستہ لرز رہی تھی۔

"کیا بات ہے لٹل وومن ——؟" عرفان نے جھک کر اس کے سر پکے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"کچھ نہیں ——" اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر عرفان کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بالکل

---

[1] CONCIERGE

خشک تھیں۔ اس نے کیبل عرفان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"اوہ —— آئی ایم سوری ——" کاغذ پر نظر ڈالنے کے بعد عرفان نے آہستہ سے کہا۔

"میں دلی جا رہی ہوں۔"

"اچھا۔"

میں ممی کے ساتھ کچھ عرصے رہوں گی۔"

"ہاں — ہاں — ٹھیک ہے — ضرور جاؤ —" عرفان نے رسان سے جواب دیا۔

رحمت منزل قرول باغ واپس پہنچ کر وہ کئی ہفتے گھر سے باہر نہیں نکلی۔ بلقیس کے "ماڈرن تھیٹر گروپ" نے تعزیت کے لیے اس کے پاس آنا چاہا مگر اس نے بلقیس اور شہزاد کے ذریعے سب کو منع کروا دیا۔ ایک مہینے میں وہ بالکل پیلی پڑھ چکی تھی۔ ایک روز اس کی ماں نے کہا — "یہ تو نے اپنی کیا دشا بنالی ہے۔ جا باہر گھوم آ — کیا بیمار پڑے گی؟"

اس کی ماں نے اب تک اس سے پیرس یا عرفان کے متعلق ایک لفظ بات نہیں کی تھی۔ اب وہ ایسٹیج آ چکی تھی کہ انکی لڑکی کی نجی زندگی بالکل بخالصتاً اس کا ذاتی معاملہ تھا۔

آخر ایک روز تیسرے پہرے کو وہ تیار ہو کر جانکیہ پوری گئی۔ بلقیس کے وہاں سب نے بڑی محبت سے اس کا استقبال کیا۔ فرخندہ باجی اس سے دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ اسی وقت نئی تمثیل کا اسکرپٹ لے کر کیلاش آن پہنچا۔

چاۓ کے بعد اس نے باتوں باتوں میں سیتا کو مخاطب کیا۔

سیتا جی — آپ کو پرو جلیش بابو بہت پوچھتے تھے دلی آ کر جب بھی ہم لوگوں سے ملتے ہیں برابر آپ کا ذکر کرتے ہیں — مگر آپ نے تو ہم سب سے روٹھ کر ولایت ہی کو اپنا دیس بنا لیا ہے۔

وہ بڑے اخلاق سے مسکرائی "آج کل پرو جلیش بابو کہاں ہیں؟"

"ان کی نمائش ہو رہی ہے اس کیلئے آئے ہوئے ہیں۔"

"کہاں ٹھہرے ہیں؟"

وہیں ——— اپنی پرانی جگہ ——— بلقیس ——— بھئی یہ للتا کا پارٹ دیکھ لو" سیتا اٹھ کر لاونج میں چلی آئی۔

"ابھی کہاں جا رہی ہو ——— رات کو اسکریبل کھیلیں گے ———" اسے جاتے دیکھ کر بلقیس نے ڈرائنگ روم میں سے آواز دی۔

"نہیں بی، اب میں چلوں، ممی گھر پہ بالکل اکیلی ہیں۔"

"تھوڑا اور ٹھہر جاؤ، رات کو تمہارے دولہا بھائی پہنچا آئیں گے۔" چھوٹی خالہ نے کہا۔

"آج ہم لوگ فرنچ لفظ بنائیں گے، تم تو بہت زیادہ فرنچ جان ہو گئی ہو گی ———" بلقیس نے کیلاش سے گفتگو کرتے کرتے پھر کہا، مگر اب اس کی آواز میں مصروفیت تھی سیتا باہر آگئی۔

وقت بہت تیزی سے گذرتا چلا گیا۔ شروع شروع میں عرفان اسے پابندی سے ہر ہفتے خط لکھتا تھا۔ پچھلے چھ ماہ سے وہ بالکل خاموش تھا۔ سیتا اب تک اسے ان گنت خط بھیج چکی تھی مگر کسی کا جواب نہیں ملا تھا۔ عرفان نے آخری خط میں اسے لکھا تھا کہ وہ دفتر کے کام سے جرمنی جا رہا ہے مگر اس بات کو بھی عرصہ ہو چکا تھا۔

اب وہ اسی شدت سے عرفان کے خط کا انتظار کرتی جس طرح وہ اب تک جمیل کے طلاق نامے کا انتظار کرتی رہی تھی، اس کی ماں کو کلیم کے معاوضے کے تھوڑے سے روپے مل گئے تھے، اور اس کا بھائی درگاپور سے اپنی آدھی تنخواہ بھیج دیتا تھا، اس امید پر کہ وہ بہت جلد عرفان کے پاس واپس چلی جائے گی، اس نے ملازمت کی تلاش بھی نہیں کی سارا دن وہ رسوئی میں ماں کے پاس بیٹھی رہتی چھوٹی بہنیں شام کو کالج سے لوٹتیں تو ان سے باتیں کرتی۔

زندگی تاریک تر ہوتی گئی۔

اس رات کو کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد آنگن کے نلکے پر ہاتھ دھوتے ہوئے اچانک، اسے خیال آیا کہ کوئی اس کا دوست نہیں۔ اتنی بڑی دنیا میں اتنے بڑے عظیم الشان جگمگاتے ہوئے دارالسلطنت میں شناساؤں کے اتنے بڑے ہجوم میں کوئی اس کا ہمدرد نہیں ــــ کیوں نہیں؟ ــــ اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ پردجیش نے ایک دفعہ اس سے کہا تھا۔ سیتا دیبی! تو ایسی عجیب و غریب لڑکی ہو کہ تم کو اس دنیا میں مسرت ذرا مشکل ہی سے ملے گی ــ جس طرح کی مسرت کی تمہیں تلاش ہے پردجیش ــ!!

"ممی۔ میں ذرا باہر جا رہی ہوں ــــ ہاتھ پونچھنے کے بعد اوور کوٹ پہن کر اس نے گلی میں اترتے ہوئے کہا۔ اس کی ماں نے آنگن میں آکر ڈیوڑھی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

نئی دہلی جانے والی بس تقریباً خالی تھی۔ وہ ایک کھڑکی کے شیشے سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اب مجھے ایسا لگ رہا ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا جیسے رات کے اندھیرے میں بہت سی کشتیاں گھاٹ سے لگ جائیں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ ان میں سے میری کشتی کون سی ہے۔

پردجیش کے جائے قیام پر پہنچ کر اس نے کلرک سے پوچھا

"مسٹر چودھری ہیں"

"کون سے مسٹر چودھری؟"

"جو کلکتے سے آئے ہیں"

"وہ جو ایکٹر ہیں"

"نہیں۔ جو آرٹسٹ ہیں"

"اوہ ــ جی ہاں ــــ ادھر سے آئیے ــ"

جب وہ اندر چلی گئی تو کلرک نے سر کھجا کر دل میں کہا۔ خوب ــــ سال ڈیڑھ سال ہوا مجھے یاد پڑتا ہے یہ اسی طرح رات کو آئی تھیں، تب کلکتے والے ایکٹر مسٹر چودھری کو پوچھیں تھیں۔ یہ سب کیا گھپلا ہے۔ چھتی

پردجیش کمار چودھری کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اُسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ سیتا دیبی ــ۔۔ اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک روز تم ضرور واپس آؤ گی۔ ایک روز ضرور میری روح کی پکار تم تک پہنچ جائے گی ــــ تم ایک روز ضرور میرے پاس آؤ گی۔

گوری، کامنی سیتا سانولی رنگت کے پردجیش کمار چودھری کے بازوؤں میں اس طرح جاکر گری جس طرح گنگا کا شفاف پانی جمنا کے تاریک غضب ناک پانیوں میں جاملتا ہے۔

اس کے بعد بہت جلد دہلی کے فن کاروں کے حلقے میں یہ خبر پھیل گئی کہ شری پردجیش کمار چودھری کا "سندھی ہیر پیڈ" شروع ہو چکا ہے۔

چھ مہینے اور نکل گئے ــــ سیتا پردجیش کے ساتھ "اسپرنگ فیسٹول" کے لیے سری نگر گئی ہوئی تھی۔ وہاں سے لوٹ کے اس کے ہمراہ کلکتے چلی گئی۔ آخر دسمبر میں پردجیش کے جاپان جانے کے بعد وہ دہلی واپس آئی۔ آتے کے ساتھ ہی اس کی ماں نے اسے دو لفافے دیے۔ ایک پر روم کی مہر تھی۔ بہت مختصر خط تھا

تازہ ترین خبریں جو تمہارے متعلق سنیں ہیں صحیح ہیں؟ ــــ عرفان

دوسرا لمبا لفافہ نیویارک سے آیا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا جمیل کا خط جمیل کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس کا نام ــ اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ شام ہو رہی تھی۔ کھڑکی میں جاکر اس نے پڑھنا شروع کیا۔ یہ خط بھی بہت مختصر تھا۔

راحل اچھی طرح ہے۔ میں تم کو طلاق دے رہا ہوں، تم اب آزاد ہو اور جس سے چاہو شادی کر سکتی ہو۔ راحل کو میں اگلے سال دلی جامعہ ملیہ اسلامیہ بھیج رہا ہوں کہ وہ اپنے ملک میں رہے اور ہندوستانی بنے۔ یہاں وہ ایک دم امریکن ہو گیا ہے، وہ دلی آجائے تو تم فرخندہ بجیا کے ہاں جا کر اس سے مل بھی سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ فقط جمیل۔

اسے بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس دری پر بیٹھ گئی اور دیوار کے سہارے ٹیک کر سنہو ماں کی تصویر دیکھنے لگی جو ہتھیلی پر پہاڑ اٹھائے اڑے چلے جا رہے تھے۔

دوسرے روز اس نے عرفان کو اتنا ہی مختصر جواب لکھا۔ میں بھائی کا انتظار کر رہی ہوں، وہ یہاں آجائے تو ممی اور لیلا موہنی کو اس کے ساتھ درگا پور بھیج کر فوراً تمہارے پاس پہنچوں گی۔ میرا انتظار کرو۔ میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی ہوں۔ اور دانت سمے تک اسی طرح چاہوں گی۔

وقت نکلا جا رہا ہے، وقت سرپٹ بھاگا جا رہا ہے اب مجھے زیادہ دیر نہیں لگانی چاہیے۔ اس نے لفافہ بند کرتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

لیکن اب وقت کی کیا پروا ہے اس نے دوبارہ خود کو یاد دلایا۔ اب وہ بہت جلد مسز عرفان بن جائے گی وہ اب قانونی طور پر آزاد ہے وہ عرفان سے شادی کرے گی جو انٹلکچوئیل یا بوہیمین یا پر افروختہ نوجوان نہیں ہے۔ بیحد سمجھدار، سیدھا سادا معقول آدمی ہے۔ پھر وہ پاکستان چلی جائے گی، اور پاکستانی شہری کی حیثیت سے اپنے شہر کراچی واپس جائے گی۔ جو اب اس کا نہیں لیکن پھر اس کا ہو جائے گا۔ شاید۔ پھر وہ ان سب جگہوں پہ دوبارہ جائے گی۔ حیدرآباد۔ سادھ بیلا۔ سکھر۔ ملتان۔ پنج ندکا وہ ڈاک بنگلہ

جہاں رات کی رانی مہکتی تھی۔

جمیل ۔۔ قمر ۔۔ دونوں نے اس کی روح کو مالامال کرنے کے بجائے الٹا اس کی روح کو گھائل کیا۔ پروجیش اپنی عظمت میں اتنا کھویا ہوا تھا۔ کہ اس کی روح کے قریب پھٹکا ہی نہیں ۔۔ لیکن عرفان ۔۔ عرفان۔

سیتا میر چندانی ۔۔ سیتا جمیل ۔۔ سیتا عرفان ۔۔ اور اب بہت جلد اس کے پرانے دوست بلقیس، لتا، ہما اس کے لیے غیر ملکی ہوں گے۔ اس کی ماں۔ اس کے بھائی۔ بہن سارے ہندوستان میں بکھرے ہوئے اس کے لوگ ۔۔ سندھ مہاساگر اب جن کا نہیں ہے۔ لیکن سیتا میر چندانی بندھو دیش واپس جا رہی ہے۔ اسے بالآخر اپنا گھر مل گیا ہے۔ عرفان کا خیال اس کے لیے اب ایسا تھا جیسے اماوس کی رات میں دفعتاً چاند نکل آئے گا۔

دو ہفتے اسے سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جس روز وہ جلدی جلدی اپنی ساریاں استری کر کے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ اس کی ماں نے اس کے کمرے میں آکر پوچھا۔

"اب کہاں چلیں ؟"

" ممی ۔۔ میں عرفان سے شادی کرنے جا رہی ہوں۔" اس نے سوٹ کیس بند کر کے سکون سے جواب دیا۔

دوپہر کے وقت کناٹ پلیس میں ایرلائینز کے دفتر سے باہر نکل کر اس نے سوچا کہ سب دوستوں کو آخری بار خدا حافظ کہے۔ کافی ہاؤس ابھی سنسان پڑا تھا، ورنہ للتا اور کیلاش کا گروپ عموماً شام کے وقت یا اتوار کی صبح کو وہیں مل جاتا تھا۔

آٹو رکشا میں بیٹھ کر وہ سب سے پہلے نظام الدین ویسٹ گئی، یہاں چاروں طرف دور دور تک نئی کوٹھیوں میں زیادہ تر متوسط طبقے کے پنجابی آباد تھے

وہ پہلی مرتبہ للتا کے وہاں جارہی تھی۔ بڑی دقت سے اُسے للتا کا چھوٹا سا گھر ملا۔ وہ اندر آنگن میں سلیپنگ سوٹ پر شال اوڑھے دھوپ میں بیٹھی تھی۔ اس کا بچہ سکول سے لوٹ کر آنگن میں ٹرائیسکل چلاتا پھر رہا تھا۔ اس کا میاں ابھی دفتر سے واپس نہیں آیا تھا۔ رسوئیا باورچی خانے میں کھانے بنا رہا تھا۔ سیتا جا کر للتا کے پاس کھرّی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

آج جمعدارنی اب تک نہیں آئی۔ سارے گھر میں اتنا کوڑا پڑا ہے ــــ للتا نے مطمئن آواز میں اس سے کہا۔ اسے زکام ہو رہا تھا۔ اس طرف آجاؤ۔ ابھی دھوپ وہاں سے سرک جائے گی۔

نئی ہندوستانی اسٹیج کی یہ بلند پایہ اداکارہ اپنے گھر کی چار دیواری میں محفوظ کیسے سکون سے بیٹھی تھی۔

وہ گھنٹہ بھر تک سیتا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ اُس نے بھی سیتا سے زیادہ سوالات نہیں کیے۔ جب دھوپ آنگن پر سے اتر گئی تو اس نے کہا اور سامنے چل کر بیٹھیں۔ وہ چپ چاپ اُٹھ کر باہر آگئی۔ جہاں منے سے لان پر دو مونڈھے ڈال کر للتا نے اس سے بیٹھنے کو کہا۔

" اب چلوں ــــ" کچھ دیر بعد سیتا نے کہا۔

" واہ کھانا کھا کر جانا ــــ"

" نہیں دیر ہو جائے گی۔"

" اچھا موہن کا تو انتظار کر لو۔ ابھی آتے ہوں گے۔

" اچھا ــــ"

اپنے چند قدم کے فاصلے پر نظام الدین اولیاء کے مقبرے کی دیوار پر دھوپ لہریں مار رہی تھی۔ فضا میں بڑی بے چینی اور اُداسی تھی۔ سیتا نے سراسیمہ ہو کر پہلو بدلا۔ للتا چپ چاپ بیٹھی سڑک کو دیکھتی رہی۔

نظام الدین اولیا کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی فضا کا سناٹا گہرا ہو گیا

" للتا۔ اب میں چل رہی دوں، کیلاش، پردیپ، کامران سب کو میرا اسلام کہنا اور کافی ہاؤس والے سارے کراؤڈ کو۔"

اچھا ـــ "

نوکر آٹو رکشا لے آیا۔

سڑک پر بگولے اُڑ رہے تھے، وہ للتا کو خدا حافظ کہہ کر آٹو رکشا میں آ بیٹھی آٹو رکشا والے سردار جی کی لمبی سفید داڑھی جاڑے کی سرد ہوا میں لہرا رہی تھی، للتا اپنے چھوٹے سے پھاٹک پر جھکی دیر تک سڑک کو دیکھا کی

اِملتاس کے زرد پتے بگولے میں چکر کاٹ رہے تھے۔ دھوپ اب بہت ہلکی پڑ گئی تھی۔

" کہاں چلوں بی بی جی ـــ " سردار جی نے باہر کی بڑی سڑک پر آ کر پوچھا۔

بلقیس کے گھر میں اس وقت دھوبی کی آمد آمد تھی چھوٹی خالہ پچھلے برآمدے میں سبزی والے سے آلو تلوا رہی تھیں، فرخندہ باجی کے بچے اسکول سے لوٹ کر حسب معمول پڑوس کے بچوں کے ساتھ پچھلے لان پر کرکٹ کھیل رہے تھے، بلقیس لاؤنج میں بید کی کرسیوں کے غلاف اتارنے میں مصروف تھی۔

اِس کمرے میں آجاؤ ـــ میں ذرا یہ چادریں وادریں اُتار لوں ـــ سیتا کو دیکھ کر اس نے سکون کے ساتھ کہا۔

تمام عمر رہا غمزہ دادا کا شکار۔

ڈرائینگ روم کے میز پوش سمیٹ کر بلقیس فرخندہ باجی کے بیڈ روم میں آگئی۔

ادھر والا دروازہ بند کر دو بڑا سخت جھکڑ چل رہا ہے۔ اس نے سیتا سے کہا پھر وہ جلدی جلدی سنگھار میز کی چیزیں ہٹا ہٹا کر فرش پر رکھنے لگی۔ سیتا جھاڑ

پوچھ میں اس کی مدد کرتی گئی بلقیس نے فرخندہ باجی اور دولہا بھائی کی مسہریوں کے پلنگ پوش اتارے۔ راکھ دانیاں صاف کیں۔ نیلے پردے کے پیچھے پڑے ہوئے ہندوستان ٹائمز کے انبار پر سے دھول جھاڑی۔ دولہا بھائی کے کپڑے سارے کمرے میں بکھرے پڑے تھے۔ ان کو سمیٹا۔

تمام عمر رہا غمزہ دادا کا شکار

برابر کے کمرے میں چھوٹی خالہ نے ہیٹر جلالیا اور شال میں سر سے پاؤں تک لپیٹ کر پلنگ پر اکڑوں بیٹھ گئیں اور ڈالی کاٹنے لگیں۔ باہر سے بچوں کے ہنسنے اور جھگڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ سردی اب زیادہ ہوگئی تھی۔ چانکیہ پوری کے ڈپلومیٹک انکلا میں اعلیٰ افسروں کے سرکاری فلیٹ اور سفارت خانوں کی عمارات دور دور تک بے نیازی سے بکھری ہوئی تھیں۔ مسرور اور مطمئن انسان ان عمارتوں میں رہتے تھے۔ دور اشوکا ہوٹل گرد و غبار کے دھندلکے میں لپٹا اپنی عظمت میں سربلندی اور منجمد، سنگ سرخ کے اونچے عظیم الشان پہاڑ کی طرح ایستادہ تھا باغوں میں موسم سرما کے پھول کھل چکے تھے۔

تمام عمر رہا غمزہ دادا کا شکار

لاؤنج کے دروازے پر دستک ہوئی۔ کیلاش آیا تھا۔ پردیپ کا فون آیا۔ کسی بچے نے ڈرائینگ روم میں چھن سے گلاس توڑا۔ بتول باجی نے برآمدے میں عصر کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھتے ہوئے ہنکارا بھرا

چانکیہ پوری سے روانہ ہو کر سیتا شام پڑے کمشنر لین پہنچی۔ نیلی کوٹھی کے برآمدے میں کھڑی ہوئی دو تین لڑکیوں نے اسے نمستے کیا۔

گارڈن ہاؤس میں ہما اپنے بچے کو لے کر بیڈ روم میں جاچکی تھی۔ اس کا میاں لندن سے واپس آگیا تھا اور وہ تین چار دن بعد اس کے ساتھ اپنی سسرال شولا پور جانے والی تھی۔

گارڈن ہاؤس کے باہر گھاس پر دو ننھے منے بتی کتے کھیل رہے تھے۔ چنگ اور چاؤ۔ شہزاد نے ان کو گودی میں اٹھا کر سیتا سے ان کا تعارف کرایا یہ دونوں دلائی لامہ کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔

"اچھا!!"

اقبال لے کر آیا ہے۔ سرحد سے وہ دلائی لامہ کے قافلے کے ساتھ ڈیوٹی پر تھا نا۔ پتہ ہے اقبال اب لفٹننٹ کرنل بننے والا ہے۔

"ہاؤ ونڈرفل!"

اماں باہر نکل آئیں۔

"اری سیتا بہت دنوں بعد دیکھی۔ کیسی ہے؟"

"اچھی ہوں اماں۔"

"شام ہو گئی ہے سردی میں مت کھڑی رہ۔"

"اچھا اماں۔"

اس سمے جب دونوں وقت ملتے ہیں۔ تب مہادیو جی اور پاروتی جی کیلاش سے اتر کر سارے میں اڑتے پھرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک سرد شام اماں نے اسے بتایا تھا۔

ہما اور شہزاد سے رخصت ہو کر وہ رات گئے قرول باغ لوٹی صبح سویرے وہ پیرس کے لیے پرواز کرنے والی تھی۔

۲۲

جنوری ۱۹۶۱ء کی اس تاریک سہ پہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ جب ٹیکسی بولیوار سوشے کی ایک مانوس عمارت کے نیچے جا کر رکی، ستیا کو ایسا لگا جیسے وہ صدیوں بعد اپنے گھر واپس آئی ہے۔ کیونکہ جہاں عزّت ہے وہاں گھر ہے۔ جمیل اس کا نوعمری کا رومان تھا، جو چند ماہ بعد ہی ختم ہو گیا۔ قمر کے لاابالی پن نے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ پروجیش چودھری سے اسے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ شہرت اور عزّت اور دولت اور مقبولیت ان چاروں چیزوں کی اس کے پاس فراوانی تھی۔ عورتیں اس پر جان دیتی تھیں، مرد اس پر رشک کرتے تھے، مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ ایسا بیکس سا معلوم ہوتا تھا۔ ستیا کو پہلی مرتبہ یہ محسوس کر کے شدید طمانیت ہوئی تھی کہ اب تک اس کو قابلِ رحم سمجھا جاتا ہے، مگر اب وہ خود بھی کسی پر رحم کھا سکتی تھی۔ اس رات پروجیش نے کونسٹی ٹیوشن ہاؤس میں ستیا

سے کہا تھا۔ سیتا دیبی! میں ساری عمر بے انتہا تنہا رہا ہوں۔ دنیا میری تصویروں کو سمجھ لیتی ہے مگر مجھے نہیں سمجھ سکتی۔ میرے دوست میرے نقاد میرے مداح کوئی بھی اصل پروجیش چوہدری کو نہیں جانتا۔ کوئی اس پروجیش چودھری کو نہیں جانتا جو ایک زمانے میں آدھی رات کو کلکتے کی سنسان گلیوں میں اپنی روح کی تلاش میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ اور اب شہرت اور عظمت کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بیٹھا ہے مگر پھر بھی خوش نہیں، ان گنت حسین لڑکیاں میری زندگی میں آئیں سیتا دیبی۔ لیکن میری روح کی گہرائیوں تک کوئی نہیں پہنچ سکی۔

سیتا کو معلوم تھا کہ پروجیش کمار چوہدری زبردست گپ ہانک رہا ہے مگر پروجیش کے اسی فراڈ پر تو اسے ترس آگیا۔ جب وہ بچوں کی طرح اس سے کہتا مجھے تمہاری ضرورت ہے سیتا دیبی۔ تو اس کے اندر چھپی ہوئی ماں جاگ اٹھتی۔"

مگر عرفان۔ عرفان۔

اب تک وہ قانونی طور پر مسز جیل تھی۔ مگر اب کہ یہ کاغذ امریکہ سے آچکا ہے۔ خود کو مسز عرفان کہلانے کا حق اب کوئی اس سے نہیں چھین سکتا۔ وہ جلد از جلد شادی کرلیں گے عرفان اب اس کا "عاشق" نہیں ہوگا۔ اس کا "شوہر" ہوگا۔ مجازی خدا۔ دیوتا۔ سب رشتوں سے اتم مقدس، خوبصورت، پیارا رشتہ۔ اس کا قانونی شوہر۔

وہ تیزی سے زینہ طے کرکے اوپر آئی اور اپنے فلیٹ کے دروازے پر جاکر زور زور سے گھنٹی بجانے لگی۔

دروازہ کھلا، اندر سے ایک اجنبی صورت نے سر نکالا۔

"کون؟"

"میں۔ مادام عرفان ہوں۔"

جی — مادام عرفان —" اجنبی نے جو ایک ادھیڑ عمر کا فرانسیسی تھا کواڑ سے آدھے باہر نکل کر اسے غور سے دیکھا" آپ کو یقین ہے کہ آپ مادام عرفان ہیں

" جی ہاں — کیوں — ؟ کیا مطلب ؟ غصے اور شرم اور نفرت سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

" مگر موسیو عرفان تو کل ہی صبح مادام عرفان کے ساتھ دو مہینہ کی رخصت پر کراشی گئے ہیں — اتنے عرصے کے لیے اپنا فلیٹ مجھے دے گئے ہیں۔ آیئے — مادام — اندر آجایئے —"

" مادام عرفان —" سیتا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے کنویں کے اندر سے بول رہی ہو۔

" وہی مادام — جو پہلے مادموزیل مارسل دوبیر تھیں۔ وہ موسیو عرفان کے دفتر میں کام کرتی تھیں — شادی پچھلے اتوار کو ہوئی تھی مادام — سابق مادموزیل دوبیر نارمنڈی کی ملکہ حسن رہ چکی ہیں۔ بہت کم عمر ہیں۔ کوئی انیس سال کی ہوں گی۔" رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بالکنی میں جا کر اس نے آسمان کو دیکھا۔

کئی دن سے سورج نہیں نکلا۔ آج بڑی سردی ہے جانے اب کے سال بہار کتنی دیر میں آئے گی۔ آیئے اندر آجایئے — یہاں ہوا بہت تیز ہے —"

تمام عمر رہا غمزہ دادا کا شکار

ابھی دن باقی ہے، پھر رات ہوگی، پھر صبح ہوگی۔ ایک اور دن — ایک اور رات — سلسلہ روز شب نقش گر حادثات

دن اور رات کا حساب رکھنے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔ وقت کا حساب کوئی نہیں لگا سکا ہے۔

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ ۔ سلسلۂ روزشب صیرفی کائنات
دن اور رات کا حساب ۔ زندگی کوئی تمہاری ڈوکومینٹری فلم ہے کہ
ے کے ساری زندگی لونگ مڈکلورز میں سمیٹ دو بلقیس نے ایک مرتبہ صولت سے
کہا تھا ۔

سلسلۂ روز و شب تارِ حریر دو رنگ

ہوا کے جھونکے میں دروازہ زور سے بند ہو گیا ۔

ہماری مطبوعات

ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں
کارِ جہاں دراز ہے	قرۃ العین حیدر
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی
رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم
پیغمبرانِ سخن	سردار جعفری
وے صورتیں الٰہی	مالک رام
ساحر شخص و شاعر	ناز صدیقی
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
سیتا ہرن	″
ماں کی کھیتی	″
آدمی کا مقدر	″
ڈینگو	″
ابلیس کے گیت	″
تلاش	″
کٹاری	سعادت حسن منٹو
ایک گدھے کی سرگذشت	کرشن چندر
الٹا درخت	″
دادر پل کے بچے	″
میری یادوں کے چنار	″
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
چک پیراں کا جسّا	″
ناگ منی	امرتا پریتم
یہ سچ ہے	″
پنجر	″
انچاس دن	″
رنگ کا پتہ	″
ایک تھی انیتا	″
ڈاکٹر دیو	امرتا پریتم
بلاوا	″
دو ہاتھ	عصمت چغتائی
بدن کی خوشبو	″
افسانے ڈرامے	″
ایک لڑکی ایک جام	امرتا پریتم
پھول کی تنہائی	کرشن چندر
محبت کی رات	″
نئے غلام	″
بلونت سنگھ کے افسانے	بلونت سنگھ
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	″
تنقیدی مضامین	″
اس نے کہا	خلیل جبران
خدا اور دیوتا	″
زرد پتے	″
جوانی اور محبت	″
مجرم	″
پاگل	″
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے،	راجندر سنگھ بیدی
کندن	″
بیدی کے افسانے	″
پانچ برس لمبی سڑک	امرتا پریتم
مضامین رشید	رشید احمد صدیقی
خنداں	″
مضامین کرشن چندر	کرشن چندر